جنتی دو پھول، مولوی نذر علی صاحب درد کاکوروی نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے مختصر سوانح وفضائل مرتب کئے ہین، اوران کو الحسن والحسین سید شباب اہل الجنۃ کی مناسبت سے، جنتی دو پھول" سے موسوم کیا ہے، ماخذ مین بالعموم، معتبر شہادت نامہ، کاحوالہ ملتا ہے، حجم ۶۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۵ ر پتہ:۔ اللہ والے کی قومی دوکان، کشمیری بازار لاہور،

کلمۂ طیبہ، مولوی محبوب احمد صاحب مبارک بہاری ہڈ مولوی ہائی انگلش اسکول کشن گنج پورنیہ نے اس مختصر رسالہ مین کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مختلف حیثیت سے تشریح وتوضیح اور فضائل بیان کئے ہین، جس مین صوفیانہ رنگ مین نکات ورموز کی بھی کچھ جھلک پائی جاتی ہے، رسالہ کا حجم ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت درج نہین، مصنف کے پتہ سے مل سکتا ہے،

صلاحِ اسلام، جناب منشی حمید احمد صاحب سب رجسٹرار نے اپنے بچون کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک مختصر مجموعہ مرتب کیا تھا جس مین مختلف مذہبی واخلاقی عنوان پر چھوٹے چھوٹے مضامین نظم ونثر مین درج ہین، مولف نے اس رسالہ کو اب، صلاحِ اسلام، کے نام سے شایع کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۶ صفحے، کتابت وطباعت اچھی ہے، قیمت ۴ر جناب مؤلف سے آسیون ضلع اوناؤ کے پتہ سے مل سکتا ہے،

"ر"

دکلاے مرافعہ، مرتبہ جناب پروفیسر محمد مسلم صاحب عظیم آبادی سینٹ کلمبس کالج ہزاری باغ صفحات ۴۴، قیمت ۱۲ ر پتہ مرتب،

ایران مین تمثیل نگاری ایک صدی سے زیادہ کی چیز نہین، زیر تنقید تمثیل دراصل مرزا فتح علی کے آذری ترکی تمثیل (ڈرامہ) کا فارسی ترجمہ ہے، مترجم کا نام مرزا جعفر ہے، تمثیل کی سنجیدہ ظرافت اور جدید ایرانی زندگی و زبان سے ہندوستانیون کو آگاہ کرنے کے لئے لایق پروفیسر نے اسے اڈٹ کیا ہے، ابتدا مین ایک مختصر دیباچہ اور فارسی صرف ونحو کے تغیرات دکھانے مین حواشی کے ذریعہ عبارتون کو صاف بھی کیا گیا ہے، تمثیل بہت دلچسپ ہے، اور اسکولون کے فارسی خوان طلبہ کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، اور نئی فارسی سے ان کو آشنا کریگا،

"ن"

جلد بست ودوم	ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء	عدد ششم

مضامین

حیات امام مالک

امام مالک کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ. فقہ مدنی کی خصوصیت، اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطاے امام مالک پر تبصرہ

ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت عہ

شذرات

یہ مہینہ بھی آہ و ماتم کی صدا سے خالی نہیں، شکر کا مقام تھا کہ اب تک دیوبند میں اکابر کے صحبت یافتہ اور اکابر کی زندہ یادگاریں موجود تھیں، مگر افسوس کہ یہ بھی یکے بعد دیگرے ہم سے رخصت ہو رہی ہیں، مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند خلف الصدق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ مہینہ حیدرآباد میں سپرد خاک ہوئے، اور اب اس مہینہ ۲ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو دائرہ قاسمیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمان صاحب ۷۰ برس کی عمر میں دیوبند میں بمرض فالج انتقال کیا،

مرحوم نے مولانا مملوک علی، مولانا فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادی، اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے ظاہر و باطن کا فیض اٹھایا تھا، کم سخن، متین، حلیم اور سادہ مزاج تھے، تقویٰ اور دینداری ان کے چہرۂ کمال کا خط و خال تھی، حدیث کی درس و تدریس کے ساتھ کتب فقہ کی جزئیات پر ان کی وسعت نظر بدرجہ اتم تھی، فتاویٰ کے جوابات مختصر لیکن مال و دل نشین تھے، اور بیالیس برس تک اس خدمت کو انجام دیا، ایسے متقی، اور محتاط فقیہ اور محدث آئندہ کہاں پیدا ہوں گے،

زمانہ کا رنگ پلٹ رہا ہے، انقلاب کی لہریں ان دیواروں تک پہنچ گئی ہیں، جنکے رہنے والے زمانہ کے اس سیلاب سے اپنے گوشۂ عافیت کو محفوظ سمجھتے تھے، علماء کے خیالات بھی بدل رہے ہیں، اختلاط میل جول اور مبادلۂ آراء سے ان کے نقطۂ نظر میں بھی فرق آرہا ہے، یہ زمانہ علمائے اسلام کے لیے حد درجہ نازک ہے، ایک طرف تو تقویٰ، دینداری، اسلام کی اصلی روح کی حفاظت اور دوسری طرف نئے نئے مسئلے، نئے نئے فتوے اور نئے نئے سوال سامنے آرہے ہیں، مغربی تمدنی قوانین، اور اسلامی فقہ و احکام کے درمیان تطبیق اگر ممکن ہو اور قانون اسلامی کی ترجیح اگر تطبیق ناممکن ہو، حد درجہ نازک لیکن ساتھ ہی حد درجہ ضروری کام ہے، خوش قسمتی

روم اور ان کے رفقاء کے زمانہ کے لوگ اس کام کو کر جاتے کہ آئندہ ایسے وسیع النظر علماء کا پیدا ہونا تو ممکن ہے، مگر دنیا کا رنگ دیکھتے ہوئے ایسے محتاط، متقی، اور دیندار علماء کے پیدا ہونے کی توقع کم ہے،

ئی تعلیم پھیل رہی ہے، مگر اسی کے ساتھ پرانی تعلیم بھی سمٹ رہی ہے، کمیت اور مقدار میں نہیں، بلکہ کیفیت اور اثر میں، عربی بی اعلی تعلیم جو یورپ کی درسگاہوں سے حاصل کی جارہی ہے، اس کا منشا صرف اس قدر ہے کہ ہمارے ہی ہاتھوں سے ہم کو زہر کا پیالہ یا جائے، اور ہم کو خبر نہ ہو، اور ہماری اس احساسی موت کا نام خالص علمی تحقیق، اور ذاتی، قومی و مذہبی عصبیت سے بری اور پاک تحقیق رکھکر رے ہی بزرگوں کو ہماری ہی زبان سے برا بھلا کہلایا جائے، حالانکہ اس ساری تحقیق میں ہم پر خود مناظر دشمنوں کی تقلید کا جادو م کر رہا ہوتا ہے، ہم انھیں کی آنکھوں سے دیکھتے اور انھیں کے کانوں سے سنتے ہیں، اور پھر اپنا کہکر اس کو بیان کرتے ہیں

اوپر کی سطریں زیر قلم تھیں کہ اردو کا ایک علمی پرچہ آیا، جو ایک مشہور پر توقع تعلیمی درسگاہ کا علمی و تعلیمی آرگن ہے، اس کے تازہ پرچہ میں جو ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۸ء کا ایک ساتھ شائع ہوا ہے اس میں قرون وسطیٰ کے یورپین مصنفین اور بانیٔ اسلام کے عنوان سے ڈاکٹر برکت علی صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی (برلن) کا ایک مضمون چھپا ہے جس کو انھوں نے تین برس ہوئے کہ برلن کی انجمن اردو میں پڑھکر سنایا تھا اب وہ مرتب کرکے شائع کیا گیا ہے، مضمون خاصہ ہے، دلچسپ ہے، پیغمبر اسلام اور شارع اسلام علیہ السلام کی محبت اور حمایت میں ہے، ہم آپ کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم کو یورپ کی تحقیقی درسگاہوں میں کس طرح مسموم اور مسلوب الاحساس کیا جاتا ہے، کہ ہمارے ہی ہاتھوں سے سب کچھ کرایا جاتا ہے، اور ہم کو خبر نہیں ہوتی،

اس مضمون میں ضمناً آنحضرت صلعم کے سفر شام کے موقع پر بحیرا راہب کی ملاقات کے قصہ کی تنقید اور تردید کی گئی ہے، مگر کس طرح؟ دماغ کی چوٹ بچانے کے لیے دل پر زخم کاری لگایا گیا، لکھتے ہیں،

"یہ روایت مواہب اور حلبی میں بھی ملتی ہے، اور ابن عباس تک جو حدیث گھڑنے میں مشہور ہیں، اور جن کا

سال وفات ۲۰۸ھ ہے مرفوع ہوتی ہے، اصابہ میں بھی اس کا ذکر ہے، لیکن وہ عبد الغنی ثقفی کی تفسیر سے ماخوذ ہو۔۔۔

۔۔۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ابن اسحاق نے اس بارہ میں کیا رنگ آمیزی کی ہے"

ان سطروں کا اصلی فقرہ وہ زہر کا پیالہ ہے جس کو شربت کہکر ہم کو پلایا جانا منظور ہے، ہمارے مسلمان ڈاکٹر اور پی ایچ ڈی کو خبر ہے کہ وہ کس کو حدیث گھڑنے میں مشہور کہہ رہا ہے یعنی کس کو مشہور دروغگو بتا رہا ہے اس کو جو اسلام کا ترجمان ہے، جو مشہور صحابی ہے جس کی روایات و شہادتوں پر اسلام کی آدھی عمارت کھڑی ہے، جو ہمارے رسول کا پیارا چچازاد بھائی، اور ہمارے خلیفۂ ثانی کی مجلس کا افضل طالب العلم ہے، آہ، ثم آہ!
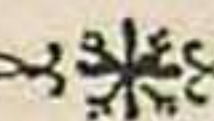
آپنے سمجھا کہ اس غریب مسلمان پی ایچ ڈی کی غلطی کیا ہے، اس نے جو کچھ کہا وہ گو اپنی زبان سے کہا، مگر درحقیقت وہ آواز اس کے کانوں میں دوسری جگہ سے آئی تھی، اور اسکی زبان کی آواز صرف اس کی صدائے بازگشت ہے، جس ماخذ سے ڈاکٹر صاحب نے اپنا علم حاصل کیا، وہ غالباً حافظ ابن حجر کی اصابہ کی عبارت کے غلط پڑھے جانے یا سمجھے جانے پر مبنی ہے، اصابہ میں اس موقع پر ہے

اخرج ابن مندہ من تفسیر عبد الغنی	ابن مندہ نے عبد الغنی بن سعید ثقفی کی تفسیر سے جو ان ضعیف راویوں
بن سعید الثقفی احد الضعفاء المتروکین	میں سے ایک ہے جن کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس کی سند اپنی
باسانید عن ابن عباس (جلد اول ص ۱۰۴ مصر)	سے نقل کیا ہے،

راوی کے وہ صفات جو حافظ ابن حجر نے عبد الغنی بن سعید ثقفی کے لیے بیان کئے تھے، وہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیے، اس کا نام وہ تحقیق رکھا جاتا ہے، جو صرف یورپ کی مشرقی درسگاہوں میں سکھائی جاتی ہے،

ترتوقع زنگل کوزہ گراں می داری،
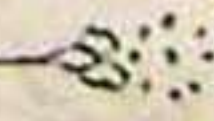
ان شذرہ سے مقصود کسی پر چوٹ کرنا یا کسی کی دل آزاری نہیں ہے، ہمارے عزیز ڈاکٹر نے تو یہ مضمون آنحضرت صلعم کی محبت

اسلام کی حمایت، اور ایک ایسے مشہور غلط افسانہ کی تردید میں لکھا ہو جس کو بڑے بڑے علماء اور محققین نے پہلے ہی غلط الغو اور باطل کہ دیا ہے، بلکہ یہ دکھانا ہے کہ مستشرقانہ علمی تبحر ہمارے قدیم علوم و تاریخ کی حفاظت کی ضمانت نہیں کر سکتا، بلکہ یہ کام اگر انجام پا سکتا تو ہمارے اپنے ہی عربی مدرسوں کے تعلیم یافتوں سے جنکو زمانہ کے نئے طریق جنگ سے آشنا کر کے نئے اسلحہ سے مسلح کر دیا جائے، کیا مستقبل پر نظر رکھنے والے اصحاب ادھر توجہ فرمائیں گے، اور اس نکتہ کو سمجھیں گے؛

خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ مصر جو اسلامی مشرق کا ایک گونہ علمی مرکز ہے مدت کی صحرا نوردی اور آوارہ گردی کے بعد اپنی منزل مقصود کے پتہ لگانے میں کامیابی کا سراغ پا رہا ہے یعنی مصریت کے ساتھ ساتھ اسلامیت کی تحریک بھی اب اس میں نمایاں ہو رہی ہے، انجمن شبان المسلمین کے قیام کی خبر آپ پڑھ چکے ہیں، اور اب المنار، الزہراء، الفتح کے ساتھ ساتھ وہاں کے روشنخیال علماء کی جماعت کی طرف سے ایک نیا رسالہ الہدایۃ الاسلامیہ نامی جاری ہوا ہے، جس کا پہلا پرچہ اسی مہینہ میں ہمارے پاس پہنچا ہے؛
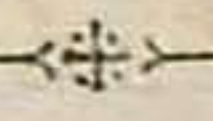
اسی تقریب سے وہاں کی ایک اور تحریک کا ذکر کرنا ہے، جنگ عظیم کے بعد سے وہاں انجمن رابطۂ شرقیہ ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ء) میں قائم کیگئی تھی، جسکا مقصد تمام مشرقی قوموں میں علمی، اقتصادی، اور معاشرتی میل جول، محبت اور اشتراک عمل پیدا کرنا ہے، اس میں مصر اور بعض دیگر مشرقی ملکوں کے نمایندے، علماء، مشائخ، اور نئے تعلیم یافتہ ہر طبقہ کے اشخاص شریک ہیں، سید بکری جو منسوب بہ حضرت ابوبکر یعنی ہندوستانی محاورہ میں صدیقی، اور مصر ایک نہایت روشنخیال درویش شیخ طریقت اس کے صدر، اور احمد شفیق پاشا ایک پرانے زمانہ کے بوڑھے جدید تعلیم یافتہ طالب العلم اس کے سرگرم و جوان ہمت سکریٹری ہیں، اکثر مشرقی مہمان جب مصر میں وارد ہوتے ہیں تو اس انجمن نے اپنے دائرہ میں ان کی ضیافت کی ہے، اور اپنے ارکان کے ساتھ اس کو مبادلۂ خیال کا موقع دیا ہے، راقم الحروف بھی ۱۹۲۵ء کے سفر مصر میں اس دائرہ کی ضیافت اور ان بزرگوں کی زیارت و مبادلۂ آراء سے مشرف اور بہرہ اندوز ہو چکا ہے،

... ابتک اس انجمن کا کوئی رسالہ نہ تھا جس سے اسکی جد وجہد اور بین الاقوامی مساعی کوششوں کا اندازہ ہوتا، لیکن اب انجمن نے مجلۃ الرابطۃ الشرقیہ کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا ہے جسکا ابھی صرف پہلا نمبر نکلا ہے، احمد شفیق پاشا اسکے اڈیٹر ہیں، مختلف بین الاقوامی، اور مذہبی علمی مضامین آئے ہیں، اس رسالہ میں انھوں نے اپنے کانفرنس کی روداد بھی شائع کی ہے، اور ان تمام مسلمان، مشرقی مہمانوں کی بھی فہرست دیدی ہے جو ہندوستان، شام، عراق، تونس، جزائر، جاوا، جزائر ہند، افریقہ، پولینڈ سے اس کے مہمان ہوئے، ان میں سے ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم شخصیت **پولینڈ** کے مفتی اعظم کی ہے،

اردو زبان کی پرانی تاریخ، اور اسکے قدیم شعراء اور مصنفین کے حالات کی تلاش کا جو کام پچھلے چند برسوں میں ہوا ہے اس نے اردو کی تاریخ کے بہت سے اہم ابواب جانے [illegible] کر دیئے ہیں، بہت سے پرانے نظریئے اور خیالات تحقیقات کی نئی روشنی میں غلط ثابت ہو چکے ہیں، اور اس سلسلہ میں الفہرست تاریخ اردو کے قدیم، تذکرۃ المصنفین اور داستان نثر اردو [illegible] کتابیں لکھی گئی ہیں، ساتھ ہی دو کتابیں خاص مختلف مقام لکھی گئی ہیں، ایک دکن میں اردو، دوسری پنجاب میں اردو، ان کتابوں نے اردو کے تعلق کے بہت سے نامعلوم اسرار فاش کئے ہیں، اور ہمارے معلومات میں بڑا اضافہ کیا ہے،

اب یہ سنکر نہایت خوشی ہوگی کہ اس دور میں دکن اور پنجاب کے ساتھ **بنگال** نے بھی اپنی جگہ لی ہے، بنگال کے نامور فاضل اور مشہور اردو دانشاپرداز مولوی حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈھاکہ نے بنگال اور آسام کی تمام تصنیفات اور مصنفین کی فہرست تیار کی ہے، اور اس کو کشف الظنون کے اصول پر مرتب کیا ہے، یعنی ہر کتاب کے [illegible] موضوع و مباحث کی تشریح، اور اس کے مصنف کے حالات بھی لکھے ہیں، حکیم صاحب ممدوح اپنے [illegible] نامہ میں لکھتے ہیں کہ تین سو زائد تصنیفات کا پتہ چلا ہے جن میں سے اکثر مطبوعہ ہیں اور بعض قلمی ہیں، اور ان میں سے دو سو خود حکیم صاحب کے ذاتی کتب خانہ کی ملکیت ہیں، کتاب مطبع جا چکی ہے، اور امید ہے کہ چند مہینوں میں شاید پبلک کے سامنے آجائے، ہم کو پوری توقع ہے کہ یہ کتاب اپنی حیثیت میں بالکل مکمل ہوگی، اور بہت سے تشنہ معلومات کو سیراب کرے گی،

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ صوبہ بہار میں ایک بزرگ سید فرخ سیر صاحب زیدی (شیخپورہ) اردو تصنیفات کی ایک نہایت مفصل فہرست ترتیب دے رہے ہیں، جس میں ہر تصنیف اور اس کے مصنف کی نسبت وہ پورے معلومات فراہم کر رہے ہیں، اور اس طرح مرزا امجاد بیگ دہلوی (حیدرآباد دکن) کی فہرست کی ناقص و ناتمام کتاب کی تکمیل و تصحیح کا فرض بھی انجام پا جائے گا،

مقالات

ہندوستان میں علم حدیث،

(۳)

فرنگی محل اور علم حدیث،

لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا، ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین رحمہما اللہ کے عہد سے لیکر مولانا عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ تک اس خانوادہ فضل و کمال کی تمام کوششوں کا جولانگاہ، منطق اور اصول کی کتابیں رہیں، اور تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی، بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ درس نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی، اور وہی پڑھائی جاتی تھی، یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے پندرہ پارے موجود تھے، مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے۔

ملا نظام الدین

بہرحال فرنگی محل کی درسگاہ ایک مدت تک کتب صحاح کے درس سے خالی رہی اور صرف کسی مختصر مجموعۂ حدیث پر اس میں قناعت کی گئی، حضرت ملا نظام الدین کی ایک تصنیف ان کے پیر و مرشد حضرت سید عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں مناقب رزاقیہ کے نام سے ہے، اس میں ایک موقع پر یہ واقعہ درج ہے، کہ ایک دفعہ سید صاحب نے جو امی تھے، پوچھا کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے؟ لوگوں نے حنفی طریقہ سے بتایا، اس پر سید صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے (کشف سے) کہ اگر صرف [illegible] اور گٹوں تک ہاتھوں کا مسح کر لیا جائے تو کافی ہے، حاضرین نے انکار کیا، ملا صاحب اس موقع پر فرماتے ہیں،

"اختلاف است فقہار اکہ در تیمم استیعاب ذراع یا بہ بند دست کفایت دارد حضرت امام اعظم و صاحبیہ رحمہم اللہ بر اول است"

والامام شافعی بقول قدیم، وجماد برثانی، واکثر احادیث صحاح مؤید قول امام شافعی وغیرہ است، (ص ۱۹)

مولانا بحر العلوم
علماء فرنگی محل میں سب سے پہلی ہستی جس کی تصنیفات کتب حدیث کے حوالوں سے لبریز ہیں، وہ مولانا عبد العلی بحر العلوم خلف الصدق ملا نظام الدین کی ذات ہے، مگر یہ بتحقیق معلوم ہوا ہے کہ ان کو حدیث کی کتابوں کی باقاعدہ سند حاصل تھی، اور کہیں ذکر ان کے حالات و تصنیفات میں نہیں ملتا، بلکہ علوم کی فراغت کے بعد انھوں نے محدثین کی کتابیں پڑھکر ان سے فیض کو از خود حاصل کیا، متعدد طریقوں سے یہ روایت سنی ہے کہ مولانا عبد العلی (بحر العلوم) کی جب عقلی تصنیفات دلّی میں مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں پہنچیں تو حضرت شاہ صاحب نے دیکھکر فرمایا کہ دینیات سے کورے ہیں، یہ سنکر مولانا عبد العلی نے فقہ میں ارکان اربعہ لکھکر بھیجی، جسمیں محققانہ مسائل فقہی پر بحث اور احادیث کے حوالے ہیں، اس کو دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اخاہ! ملا عبد العلی تو بحر العلوم ہیں، ایک کاملِ وقت کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ چار دانگِ عالم میں پھیل گیا، اور اتنا مقبول ہوا کہ لوگ بحر العلوم کی شہرت کے مقابلہ میں عبد العلی نام بھول گئے،

مولانا بحر العلوم کی دو تصنیفات، ارکان اربعہ فقہ میں، اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اصول میں ایسی کتابیں ہیں جنمیں احادیث اور کتب احادیث کے حوالے بکثرت ہیں، یہاں پر دو باتیں قابلِ بحث ہیں، مولانا کو یہ کتابیں کہاں ملیں؟ اور ان میں سے اصلاً کون کون کتابیں ملیں،

پہلی بات کے متعلق یہ یقینی ہے کہ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں یعنی ۱۱۶۰ھ یا ۱۱۶۲ھ تک جب مولانا کی عمر ستائیس اٹھائیس برس کی تھی، یہ کتابیں نہیں لکھی گئیں، اور نہ یہ لکھنؤ میں تالیف پائیں، فواتح الرحموت کا نام تو تاریخی ہے جس سے ۱۱۸۰ھ نکلتے ہیں، یہ زمانہ غالباً مولانا کے شاہجہاں پور کے قیام کا ہے، یا رام پور کے، کیونکہ بوہار (بنگال) کا مدرسہ اور کتب خانہ بہت بعد یعنی ۱۱۸۹ھ میں قائم ہوا، اور مولانا کا قیام یہاں ۱۲۰۹ھ کے بعد ہی سے ہوا، اغصان اربعہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مولانا کی اکثر تصنیفات شاہجہاں پور ہی کے زمانۂ قیام میں تالیف پائی ہیں، اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ نواب شاہجہاں پور حافظ الملک رحمت خان نے ایک بڑا کتب خانہ بھی فراہم کیا تھا، اور یہ سرمایہ بعد کو رامپور میں منتقل ہوا، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بحر العلوم کو اسی کتب خانہ میں یہ کتابیں ملی ہونگی،

دوسرے سوال کا جواب کچھ زیادہ اہم نہیں، ارکانِ اربعہ میں جو کچھ ہے اس کا ماخذ دو کتابیں ہیں، اس کی اصل بنیاد

[مولانا] ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ہدایہ) پر ہے، فتح القدیر میں تمام کتب حدیث کے اقتباسات اور حوالے موجود ہیں، اور انھیں [مب]احث اور حوالوں کا خلاصہ ارکان اربعہ ہے، اس کے علاوہ دوسرا ماخذ مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ جامع الاصول ہے، [ج]س کا مولانا نے بار بار اس میں حوالہ دیا ہے، اور اسی سے حدیثیں نقل کی ہیں،

فواتح الرحموت کی تصنیف کیوقت مولانا کے سرمایہ میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، اس وقت ابن ہمام کی فتح القدیر اور تحریر [الا]صول کے علاوہ ابن حجر اور سیوطی کی کتابیں بھی ان کو مل گئی تھیں، چنانچہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری اور [جلا]ل الدین سیوطی کی تفسیر در منثور اور الاتقان فی علوم القرآن کے حوالے بکثرت ان کی اس کتاب میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ [سیو]طی کی یہ دونوں کتابیں ہندوستان اس زمانہ میں پہنچ چکی تھیں، چنانچہ میر غلام علی آزاد کی تالیفات میں بھی ان دونوں کتابوں کے حوالے ہیں،

تفسیر در منثور اور اتقان گو قرآن پاک کے متعلق ہیں، مگر ان کی تمام تر بنیاد احادیث اور روایات پر ہے، اور ان میں نہ صرف [صحا]ح ستہ کی حدیثیں ہیں بلکہ دوسری نادر کتب حدیث کی روایتیں بھی ہیں، اس بنا پر ان دونوں کتابوں میں حدیث کی تمام کتابوں سے [رو]ایتیں آگئی ہیں، مولانا بحر العلوم ان ضمنی روایتوں کو نہایت خوبی کے ساتھ اپنے کام میں لاتے ہیں، اس طریقہ سے ان کی تصنیف [فو]اتح الرحموت میں حسب ذیل کتب حدیث کے نام اور حوالے ہیں، اور ان کی روایتیں بعینہ درج ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع [ترم]ذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، موطا امام مالک، حاکم، بزار، ابن حبان، ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق، بیہقی، رسالہ سیوطی فی اتحاف [...] الصحابہ عن التابعین، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ فارسی بھی ان کے مطالعہ میں تھی، جسکا ذکر اسی کتاب میں جرح و تعدیل [کے م]سئلہ کے ضمن میں کیا ہے، اور خبر واحد کے مسئلہ میں بھی شیخ کا حوالہ دیا ہے، ان کے علاوہ تفاسیر بالروایۃ اور شروح حدیث میں سے [حس]ب ذیل کتابوں کے حوالے ہیں، معالم التنزیل بغوی، در منثور سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن سیوطی، فتح الباری حافظ ابن حجر، [مت]اخر محدثین میں ابن ہمام (صاحب فتح القدیر و تحریر) اور ابن تیمیہ کے نام بھی آئے ہیں،

کتب حدیث اور ان کی روایتوں کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آگئے ہیں، ان سے یہ بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ [مع]جم بخاری و مسلم مولانا کے مطالعہ میں تھی، اور دیگر کتب حدیث کی روایتیں بالواسطہ در منثور اور اتقان سے زیادہ تر ماخوذ ہیں، اور مولانا نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کر دیا ہے،

ملا مبین | مولانا بحر العلوم کے علاوہ فرنگی محل کے علمائے متقدمین میں دو بزرگوں کے نام ہم کو اور ملے ہیں، ایک ملا محمد مبین ہیں جن کے حال میں اغصان اربعہ کے مصنف نے لکھا ہے،

"واحادیث بسیار حفظ داشت، چنانچہ ہنگام وعظ، ترجمۂ ہزاراں احادیث بر زبان می آورد"،

اہلبیت کے مناقب اور اسمآء الٰہی کی شرح میں ان کے دو رسالے ہیں، سنہ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی،

ملا حیدر | ملا مبین کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد حیدر صاحب غالباً اس خاندان میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے عرب جاکر اس فن کی سند حاصل کی، سنہ ۱۲۴۰ھ میں وہ حج کے لیے روانہ ہوئے، دو مہینے مکہ معظمہ میں اور کچھ مہینے مدینہ منورہ میں رہے، مکہ معظمہ میں سید یوسف بطاح یمنی اور شیخ ملا عمر مکی سے صحیحین کی تحصیل کی، پھر تہ منورہ جاکر وہاں کے شیوخ سے تکمیل کی اور بعد کو بمبئی آکر قیام کیا، عرب سے واپس آکر حیدرآباد گئے، اور وہیں رہ گئے،

مولانا عبدالرزاق | تیسرے بزرگ مولانا شاہ عبدالرزاق ہیں، حدیث کی کتابیں انھوں نے اپنے خاندان سے باہر مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادی اور مرزا حسن علی مرحوم محدث لکھنوی (تلامذۂ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی) سے پڑھیں، اور پھر اپنے استادوں کے ساتھ مکہ حدیث کی تمام کتابیں شیخ محمد محسن مدنی سے اس طرح پڑھیں کہ وہ قرأت کرتے تھے، اور بہت سے علماء سماعت کرتے تھے، سنہ ۱۲۵۴ھ میں فراغت حاصل کی،

مولانا شاہ عبدالرزاق مرحوم کے دونوں صاحبزادوں مولانا عبدالباسط اور مولانا حافظ عبدالوہاب صاحب نے اپنے والد ماجد سے حدیث پڑھی[1]

مولانا عبدالحلیم | علمائے فرنگی محل میں علم حدیث کے درس و تدریس کا باقاعدہ نظام غالباً مولانا عبدالحلیم (والد بزرگوار مولانا عبدالحیٔ) کے زمانہ سے شروع ہوا، مولانا عبدالحلیم نے مفتی محمد یوسف مرحوم اور دیگر علمائے فرنگی محل سے علوم درسیہ کی تکمیل کی، سنہ ۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار بہادر رئیس باندا (بندیلکھنڈ) کے مدرسہ میں مدرس ہوئے، پھر اپنے استاد مفتی یوسف صاحب مرحوم فرنگی محلی کی جگہ پر جونپور کے مدرسہ امامیہ حنفیہ کے مدرس ہوئے، سنہ ۱۲۷۰ھ میں نواب سالار جنگ کی طلب پر حیدرآباد گئے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہوئے، سنہ ۱۲۷۹ھ میں حرمین محترمین کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں کے علماء اور شیوخ

[1] اغصان اربعہ صفحہ ۱۰۶

...ن حدیث کی سند حاصل کی جنمیں سب سے پہلا نام احمد بن زین دحلان شافعی کا ہے، نیز شیخ محمد جمال حنفی، محمد بن محمد العرب الشافعی ...رس مسجد نبوی، اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی وغیرہ سے فیوض و برکات اور اجازت و سند حاصل کی، منطق و فلسفہ و کلام و اصول ...کے علاوہ حدیث و تفسیر و فقہ کے مسائل پر رسالے لکھے، مثلاً نور الایمان فی آثار حبیب الرحمان، برکات الحرمین، خیر الکلام ...مسائل الصیام، ایقاد المصابیح فی صلوۃ التراویح، الاسمار فی تحقیق الدعار، غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام، القول الحسن ...المتعلق بالنوافل والسنن، عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر،

سنہ ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی،

مولانا محمد نعیم صاحب | یہ مولانا بحر العلوم کے پوتے، اور مولانا عبدالحکیم صاحب کے صاحبزادہ تھے، اپنے والد ہی سے تعلیم پائی، نہایت ...ی اور زاہد تھے، اور بزرگان سلف کی زندہ یادگار تھے، تعلیم سے فراغت پاکر عرب گئے، اور وہاں سے سند پائی، حدیث ...کی کتابوں کا درس دیتے تھے، تیرہویں صدی کے اخیر اور چودہویں صدی کے شروع میں درس و افادہ میں مشغول تھے ...ن سے علماء نے ظاہر و باطن کا آپ سے استفادہ کیا، منجملہ اوروں کے مولانا سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء بھی تھے،

مولانا سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم مجھ سے بیان فرماتے تھے، کہ مولانا محمد نعیم صاحب کو حدیث کی کتابوں کا اتنا شوق تھا، ...جب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار شروع شروع چھپکر آئی ہے، تو اس کے دام زیادہ تھے، اور مولانا کے پاس روپیہ نہ تھے ...انھوں نے اپنا ایک مملوکہ مکان خاص اس کام کے لیے بیچا، اور اس کی قیمت میں سے یہ کتاب خرید کر منگوائی، رحمہ اللہ تعالیٰ،

مولانا عبدالحیٔ | فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی، تعلیم تو اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے پائی تھی، ساتھ ہی دو مرتبہ عرب جاکر وہاں کے علماء اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں، پہلی مرتبہ اپنے والد کے ساتھ سنہ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۹۲ھ میں سید احمد دحلان اور شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدینہ سے حاصل کیں، مرحوم نے گو عمر بہت کم پائی، سنہ ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے، ۱۷ سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کی، اور سنہ ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی، کل چالیس برس کی عمر ملی، مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف، اور تحقیق و تدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی، اطراف و دیار سے علم کے طالب آپکے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول و منقول کی

مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحہ تک موجین لیتا رہا، دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپکی درگاہ مین ہوتا تھا، پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اس فیض سے سیراب ہوئے، حدیث و متعلقات حدیث کی متعدد نادر کتابین اپنے مقدمہ اور تحشیہ کے ساتھ شائع کین، حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیون رسالے لکھے،

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف ملک مین ایک نئے مسلک عدم تقلید کا چرچا تھا اور ملک مین جگہ جگہ علم حدیث کے حلقہ ہائے درس قائم تھے، بھوپال اور دہلی میں علمائے اہل حدیث کے مجمعے تھے، رسالوں پر رسالے نکل رہے تھے، ادھر لکھنؤ مین ان کے مقابلہ مین مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی، نواب صدیق حسن خان مرحوم اس زمانہ مین اہل حدیث کے امام تھے اور مولانا عبدالحی احناف کے سرگروہ تھے، طرفین نے خوب خوب داد تحقیق دی،

متون کتب میں سے مولانا نے مسند امام ابوحنیفہ، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا، اور ان کو چھپواکر شائع کیا، متعلقات حدیث میں سے موضوعات سیوطی، المقاصد الحسنہ امام سخاوی، اور فتح المغیث فی اصول الحدیث، اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابین، ان کے اشارہ سے ان کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کین،

کتابون کے تحشیہ اور اشاعت مین مولانا کو جو اہتمام مدنظر تھا، اس میں دو باتین خاص طور سے ذکر کے قابل ہین، سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے، مولانا سے پہلے کسی شارح یا محشی نے اس کی ضرورت محسوس نہین کی تھی، یورپ مین قلمی کتابون کو اڈٹ کرنے کی جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہ مختلف نسخون کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح کرتے ہیں، اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کے معلومات کو مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں، مولانا نے علمائے یورپ کے طریق کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ کی، اور بالکل اسی طریق پر بلکہ اس سے بہتر اس کام کو انجام دیا، جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخون کو فراہم کیا، ان کا مقابلہ کیا، اور ایک مجموعہ نسخہ ترتیب دیا، پھر اس پر حواشی لکھے، شروع مین ایک مقدمہ لکھا جسمیں ماتن، شارح، اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے، اس کی کتاب اور اس فن کی دوسری کتابون کے حالات ذکر کیے، نفس فن کی جسمیں یہ کتاب تھی تاریخ لکھی،

دوسری قابل ذکر بات کتابون کی صحت کا معاملہ ہے، حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابین، اور ان پر باریک حاشیے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ شاید اگر یہ دعوی کیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ ان کی خاص شائع کردہ کتابون مین ایک نقطہ

کی غلطی بھی نہین ہے، آج جبکہ مطابع اور کتابون کی چھپائی اور اشاعت کا یہ عالم ہے، اور اس قدر اہتمام ہے تاہم وہ صحت اردو کی کتابون مین بھی نہین ہوتی،

صحت کے معاملہ مین مولانا کے ساتھ غالبًا ان کے معتقد مولانا خادم حسین صاحب عظیم آبادی، اور مولانا عبدالعلی آسی مدراسی کے اہتمام کو بھی دخل تھا،

مولانا کے تلامذہ مین اس فن کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے، جنمین قابل ذکر مولانا ظہیر احسن شوق نیموی صاحب آثار السنن، مولوی حکیم عبدالباری صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا قادر بخش سہسرامی حافظ الحدیث، مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری، مولانا عبدالکریم پنجابی، مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری، وغیرہ وہ علمائے کبار ہین جنھون نے ملک کے ہر گوشہ مین پہنچکر علم وفن کی خدمت کی، میرے علم مین اس وقت مولانا کے وسیع حلقۂ تلامذہ سے صرف دو بزرگ پچھلی بزم کی شمع یادگار ہین مولانا ابوالفضل محمد حفیظ اللہ صاحب مدرس اعلی دار العلوم ندوۃ العلماء اور مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی، اور کیونکر کہوں کہ اس سرگشتۂ وادی جہالت کو بھی بیک واسطہ (استاذنا مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب کے واسطہ سے) اس بزم قدس کی صف نعال کی جگہ حاصل ہے،

مولانا عبدالباری صاحب مرحوم | سنہ ۱۳۰۴؁ آخر میں فرنگی محل کے علم و فضل کا دائرہ جناب مولانا عبدالباری کے نقطہ کمال پر سمٹ کر گیا تھا، مرحوم نے فرنگی محل جناب مولانا عین القضاۃ صاحب (شاگرد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی) سے کتابین پڑھین، اور اس کے بعد عرب جاکر علم حدیث کی تکمیل کی، اور مدینہ منورہ میں قیام فرماکر شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ سید محمد علی الوتری، اور شیخ رحمۃ اللہ سے سندیں حاصل کین، مرحوم کو در اصل فقہ حنفی کیساتھ ایک خاص قسم کا شغف تھا، اور اسکی نادر اور حنفی المتون کی اصل کتابون کے جمع کا بڑا شوق تھا، اور ساتھ ہی ایسی حدیثون کی انکو بڑی تلاش رہتی تھی جن سے کسی حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو، مولانا کے پاس جب جانا ہوتا اور مناسب موقع ہوتا ان عنوانات پر گفتگو ضرور ہوتی، حدیث وفقہ کی نادر قلمی کتابون کی بہم رسانی کا بھی انہین شوق تھا، امام محمد کی سیر کبیر کا نسخہ جمع کر لیا تھا، آثار امام محمد کے رجال کی تحقیق پر رسالہ لکھا، احادیث متواترہ یکجا کئے، ایک جنگ کی سینہ بسینہ روایات کا خاندانی مجموعہ بھی چھاپا، امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ایک خاص باب امام ابوحنیفہ کے رد مین لکھا ہے اور ایک رسالہ کی صورت میں چھپ بھی گیا ہے، مولانا نے ابن ابی شیبہ کے اس رد کا جواب لکھا جو چھپ گیا ہے، اور بھی چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے اس فن مین انھون نے لکھے ہین، جنمین سے ایک مجموعہ گیارہ رسالون پر مشتمل ہے،

سنہ ۱۳۴۴ھ میں وفات پائی،

(باقی)

حضرت سلطان الاولیاء کے حال مین

فرشتہ کی غلطی

اور تصحیح کی دو تحریرین

اس فرشتہ سے مقصود آسمان کا فرشتہ نہیں، بلکہ زمین کا فرشتہ ہے، اور وہ بھی ہندوستان کا مورخ فرشتہ جس کی تاریخ مشہور ہے، اس نے حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین کے حال مین لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے ان سے اور دہلی کے فقیہ علماء سے غنا کی حلت اور حرمت پر مناظرہ ہوا تو سلطان الاولیاء نے جواز کی سند مین یہ حدیث پیش کی کہ السماع مباح لاھلہ، بادشاہ یہ حدیث سنکر متاثر ہوا،

السماع مباح لاھلہ کو حدیث کہنا ایک غلطی ہے، یہ درحقیقت امام غزالی کا ایک فقرہ ہے جس کو انھون نے بطور خلاصہ بحث کے لکھا ہے،

حضرت سلطان الاولیاء کے حال مین سیر الاولیاء سب سے قدیم ماخذ ہے، مگر وہ قدیم مطبوعہ ہونے کی وجہ سے ملتی نہین، ہمارے کتب خانہ مین نہین، اس لیے معارف (اکتوبر ۲۸ء) کے مضمون علم حدیث مین اس مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے مین نے فرشتہ کا بیان متن مین لکھدیا، اور ساتھ ہی حاشیہ مین اس کی نسبت اپنا شک بھی ظاہر کر دیا، اور نومبر کے رسالہ مین سیر الاولیاء کے مطالعہ کے بعد اپنے بیان کی تصحیح بھی کر دی، مگر بہرحال اس سلسلہ مین میرے دو نہایت عزیز دوستون نے اپنے الطاف ناموں مین جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی معارف کے ناظرین کے سامنے کر دیتا ہے، تاکہ غلطی پوری طرح آشکارا ہو جائے، اور مزید معلومات اس باب مین سامنے آجائین،

"سید سلیمان"

(۱)

دریاباد
۲۹ اکتوبر ۲۸ء

مکرم! السلام علیکم،

اکتوبر کا معارف پہنچا، مجتہدانہ تحقیق کی بابت شذرات مین جو کچھ لکھا گیا ہے، انشاء اللہ صحیح اور بجا دونون ثابت ہوگا، ہندوستان مین علم حدیث والا مقالہ بھی بہت خوب ہے، البتہ صفحہ ۲۵۴-۲۵۵ پر حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے سلسلہ مین کچھ عرض کرنا ہے،

(۱) فرشتہ کا جو نسخہ میرے پاس ہے (نولکشوری ۱۸۷۴ء) اس مین حدیث نبوی کی عبارت السماع مباح لاھلہ نہین جیسا کہ معارف مین نقل کیا گیا ہے، بلکہ صرف السماع لاھلہ ہے،[1]

(۲) فرشتہ سے اس روئداد مناظرہ مین متعدد غلطیان ہوئی ہین، اور السماع لاھلہ کو حضرت نظام الدین اولیاء کی زبان سے بہ طور حدیث نبوی پیش کرنے مین تو اس سے یقیناً غلطی ہوئی ہے، اس لیے کہ فرشتہ نے اپنا ماخذ اس روایت کے باب مین سیر الاولیاء کو بتایا ہے (سیر الاولیاء حضرت شیخ کے حالات مین سب سے زیادہ قدیم اور سب سے زیادہ مفصل و مستند تذکرہ ہے، جس کے مصنف حضرت میر خورد دہلوی، صرف دو واسطون سے حضرت کے مرید تھے، اور جنکے دادا کو برسون حضرت کی خدمتگزاری کا موقع ملا تھا) سیر الاولیاء مین اس مناظرہ کی مفصل روئداد کئی ورقون مین دی ہے لیکن نہ اس فقرہ کو کہین بھی حضرت کی زبان سے نقل کیا ہے، اور نہ کسی اور حدیث کے الفاظ کو نقل کیا ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ مباحثہ مین حضرت کی طرف سے احادیث صحیحہ پیش ہوتی تھین اور جواب مین دوسرا فریق فقہائے حنفیہ کے اقوال پیش کرتا تھا، اس پر حضرت کے دل کو سخت صدمہ ہوا، اور آپ نے فرمایا کہ جس ملک مین علماء کی جرأت اتنی بڑھ جائے کہ احادیث صحیحہ سے انکار کر بیٹھنے لگین، وہ کب تک آباد رہ سکتا ہے، اس کی تو اینٹ سے اینٹ بجکر رہے گی، وغیرہ وغیرہ

(۳) فرشتہ کی غلطی پر مزید روشنی اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سلطان الاولیاء کے زمانہ ہی مین آپ کے خلیفہ مولانا

[1] ہمارے پیش نظر نسخہ مطبوعہ نولکشور سنہ السماع مباح لاھلہ لکھا ہے اور یہی درست ہے۔ "سید سلیمان"

فخر الدین زرادی ؒ نے جوازِ سماع پر جو عربی رسالہ کشف المفتاح من وجوہ السماع کے نام سے تصنیف کیا تھا، اس کا قلمی نسخہ مع ترجمۂ فارسی میرے پیشِ نظر ہے، اس کی آٹھوین فصل کا عنوان ہے، الاصل الثامن فی متکاتہ من الاخبار المشہورۃ اور اس میں اباحتِ سماع پر احادیث سے استدلال کیا ہے، اس مین اور بہت کچھ ہے، لیکن جس حدیث کو فرشتہ نے نقل کیا ہے اس کا یا اس سے ملتی ہوئی کسی عبارت کا مطلق پتہ نہین۔

والسّلام

عبدالماجد

(مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

(۲)

رسول پور ضلع مظفر پور ۱۷ر نومبر ۱۹۲۸ء

مولانا المحترم السّلام علیکم، ماہ اکتوبر کے معارف مین آپ کا مضمون طویل الذیل شائع ہوا ہے، جس کا عنوان "ہندوستان مین علم حدیث" ہے، آپ تحریر فرماتے ہین "عہد تیموری سے پہلے تک یہان (یعنی ہندوستان مین) حدیث کا رواج مطلق نہ تھا" ثبوت مین مناظرۂ سماع کا واقعہ جو سلطان المشائخ کے ساتھ پیش آیا تھا لکھا ہے سند تاریخ فرشتہ سے دی ہے کہ جملہ السماع مباح لاھلہ، حدیث سمجھکر سلطان المشائخ نے حلتِ سماع کے ثبوت مین پیش کی اگرچہ حاشیہ مین رسالہ عثمانیہ کے آپ نے نہایت دانشمندی سے اس کو فرشتہ کی طرف منسوب کرکے اس کی غلطی کو لکھا ہے اور ارقام فرمایا ہے کہ یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم مین بطور فتویٰ لکھا ہے"، اگر آپ فرشتہ کی غلطی پر بس کرتے تو مجھ کو کوئی اعتراض نہین تھا لیکن اوپر متن مین تحریر فرماتے ہین لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس عظیم الشان مناظرہ مین کونسی حدیث صحیح پیش ہوئی تھی تاکہ اس عہد کی حدیث دانی کا

---

[۱] یعنی درس مین اصل کتب حدیث (صحاح ستہ و مسانید وغیرہ) کا رواج نہ تھا، احادیث کے بعض مختصر مجموعے پڑھے جاتے تھے، میرا پورا فقرہ یہ ہے: "عہد تیموری سے پہلے یہان حدیث کا رواج مطلق نہ تھا، چنانچہ محمد تغلق کے عہد تک حدیث مین صرف مشارق الانوار زیر درس تھی، اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی، وہ امام الحدیث سمجھا جاتا تھا، حضرت سلطان الاولیاء نے اسی مشارق کا درس مولانا کمال الدین زاہد علوی سے لیا تھا، اور انھون نے مولانا برہان الدین بلخی سے لیا اور انھون نے خود مصنف سے" (معارف صفحہ ۲۵۶ – اکتوبر ۲۸ء)

کچھ اندازہ ہو سکے۔ اس لیے ضرور ہوا کہ اس کے متعلق اپنے خیالات قلمبند کرکے آپ کی خدمت مین روانہ کرون،

اس بات کا دعویٰ یا یقین کرنا کہ تیموری زمانہ سے پہلے حدیث کا رواج مطلق نہ تھا مشکل ہے، کوئی ثبوت اس کا نہین سوائے اس کے کہ اس سے پیشتر کا حال معلوم نہین مطلق انکار کیا گیا ہے، حالانکہ بعض کتابون سے پتہ چلتا ہے کہ صحیحین کا علم اور احادیث سے دلچسپی اور شغف اس وقت کے علماء کو بھی تھا جو عہد تیموری سے پیشتر گذرے ہین پہلے مناظرۂ سماع کے واقعہ لکھنے کے فرشتہ کے متعلق عرض کرتا ہون کہ فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ گیارہوین صدی ہجری عہد جہانگیر بادشاہ مین لکھی یعنی سلطان جی کے زمانہ کے تین سو برس بعد اس کی روایت پر اطمینانِ قلب نہین ہو سکتا ہین اس بارے مین نہایت معتبر کتاب سیر الاولیاء سے لکھتا ہون جسکا مصنف فیض یافتہ سلطان المشائخ ؒ ہے، خواجگانِ چشت ؒ کے حالات مین کوئی کتاب مشہور و معتبر اس سے پہلے کی میرے علم مین نہین، اس کتاب مین دلائل فریقین کے نہین لکھے ہین، لیکن سلطان المشائخ کا جلسہ مین تشریف لے جانا، بادشاہ و جملہ علماء و اکابر و صدر و امراء و ملوک کا موجود ہونا لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے اباحتِ سماع مین ایک رسالہ تالیف کیا ہے، اس کا نام کشف القناع عن وجوہ السماع رکھا ہے، اس رسالہ کی تھوڑی سی عبارت بھی نقل کی ہے وہ یہ ہے، "وما قال المخالف من الادلۃ فی تفاصیل من تقول بالتحلیل لما کان ظاھر البطلان رجع البحث الی الحرمۃ والحل ثم آل الی اولویۃ الترک والفعل و کان ذلک من اول الضحیٰ الی آوان الفئ ثم قام المجلس من عند السلطان"، اس عبارت سے ظاہر ہے کہ شروع چاشت کے وقت سے زوالِ آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، بھلا اتنی دیر تک سلطان جی کی طرف سے صرف السماع مباح لاھلہ کا جملہ حدیث کے طور پر پیش ہوتا رہا، ہرگز اس کو عقل قبول نہین کر سکتی، صاحب سیر الاولیاء نے مولانا ضیاء الدین برنی کے حیرت نامہ سے نقل کیا ہے کہ جب سلطان المشائخ محضر مذکور سے گھر تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مجھکو (یعنی مولانا ضیاء الدین) اور مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو شاعر کو طلب فرمایا جب سعادت پابوسی کی حاصل ہوئی فرمایا:-

گر دانشمندانِ دہلی عداوت و حسد من پر بودند میدان فراخ یافتند و سخنہائے پر از عداوت ایشان بسیار گفتند

و عجب امروز معائنہ شد کہ در معرض حجت احادیث صحیح حضرت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم نمی شنوند و ہمین می گویند کہ

در شہر باعمل بروایت فقہ مقدم است بر حدیث و ہمچنین سختان کسانے گویند کہ ایشان را براحادیث حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم اعتقادے نباشد ہر بار کہ حدیث صحیح حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مذکور می شد بری آمدند و منع می کردند و می گفتند این حدیث متمسک شافعی است الخ

پوری تفصیل کسی کو دیکھنی ہو تو کتاب سیر الاولیا مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے دہلی جن کو حضرت سلطان المشائخ سے عداوت تھی قصداً و عمداً احادیث سے گریز کرتے تھے نہ یہ کہ ان کو احادیث سے اطلاع نہیں تھی، سلطان المشائخ کے حال مین لکھتے ہین،

"و چہل مقام حریری یاد گرفت چون این علم بکمال رسید شروع در علم احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نمود و کفارت آن کہ چہل مقام حریری یاد گرفتہ بود، مشارق الانوار یاد گرفت و پیش مولانا کمال الدین زاہد کہ عالم و زاہد زمانہ بود و در علم حدیث در روایات احادیث بے نظیر و یگانہ عصر بود مشارق الانوار بحث کرد و غوامض این علم دریافت و تصحیح سند و قصہ در روایات احادیث باقصے الغایات تحقیق کرد" (سیر الاولیا)

اسی کتاب مین کہین پر یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان المشائخ قرأت خلف الامام پر عمل کرتے تھے، اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث پر عبور کامل حضرت کو تھا ورنہ عام حنفی علماء سے جنکے علم کا مدار صرف فقہی کتابوں پر ہوتا ہے یہ امید نہیں کیجا سکتی کہ وہ قرأت خلف الامام کو ترجیح دینگے اس پر عمل بھی کرین گے حالانکہ بظاہر دلائل حنفیہ اس خاص مسئلہ مین قوی معلوم ہوتے ہین، مگر حضرت سلطان المشائخ کو جو شغف احادیث سے تھا اس نے ان کو آمادہ کیا ہوگا کہ اس مسئلہ مین وہ امام اعظم کی تقلید سے الگ ہوگئے اور محدثین کی روش اختیار کی،

مذکورۂ بالا سطور سے تو سلطان المشائخ کی حدیث دانی و محدثانہ علم ناظرین معارف پر ظاہر ہوگیا، اب مین اس وقت کے بعض علماء کے بعض ایسے حالات لکھتا ہون جن سے اس زمانہ مین حدیث کا چرچا عام طور پر معلوم ہوگا،

بخدمت سلطان المشائخ قاضی محی الدین کاشانی عرضداشت کرد کہ در تالیف خواجہ ابو عثمان اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

ل اس واقعہ سے کتب حدیث کے زیر درس ہونے کا ثبوت نہین ملتا، ہی کسی مختصر مجموعہ حدیث کا ذکر ہے،
(سید سلیمان)

در نظر آمدہ است کہ مشتمل بر دویست حدیث است کہ از مصدر شیخ سماع دارد و از ہر شیخے دو حدیث یکے از صحیحین و دوم از غرائب الاخبار (از سیر الاولیا)

حضرت مولانا فخر الدین خلیفۂ حضرت سلطان المشائخ کے حالات مین لکھا ہے،

"و خدمت مولانا فخر الدین سبق ہدایہ می گفت چون خدمت مولانا کمال الدین را دید احادیث تمسکات ہدایہ ترک داد و احادیث صحیحین تمسک می آورد خدمت مولانا کمال الدین فرمود کہ شما احادیث تمسکات ہدایہ ترک دادہ احادیث دیگر تمسک می آرید خدمت مولانا فرمود آرے اگر شما را خلجانے باشد بفرمائید چون بتقریر دلکش تمسکات محکم می آورد خدمت مولانا انصاف فہمی داد و تحسین ہا می کرد" (منقول از سیر الاولیا مطبوعہ دہلی)

مین نے صرف سیر الاولیاء سے سطور مذکورۂ اقتباس کئے اگر اس زمانہ کی کتابین کچھ اور مل جائین تو بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ انقلاب زمانہ کی وجہ سے تیموری عہد سے پہلے کی تصنیفات نہین ملتین، انقلاب عظیم صرف مسلمانون کی سلطنتون پر نہین ہوا بلکہ ہر چیز پر اس کا اثر ہوا مع ہذا اس مضمون کو پڑھنے سے ناظرین معارف کو امید ہے کہ اطمینان ہو جائے اور حضرت سلطان المشائخ کے طرف سے جو جو صاحب تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے اس کو غلط سمجھا جائے۔

آپ سے التجا ہے کہ اس مضمون کو اپنے رسالہ معارف مین درج فرما کر خاکسار کو ممنون فرمائین گے۔ والسلام

راقم خاکسار

محمد اعجاز حسن عفی عنہ

(مولوی محمد اعجاز حسن خان صاحب رئیس مظفرپور)

———— . ————

ل اس واقعہ سے بھی میرے دعوی کی تردید نہین ہوتی، کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو ایسی حدیثین معلوم تھین جو صحیحین مین مذکور ہین، مگر خود صحیحین کا درس مین رواج ہونا ثابت نہین ہوتا، بلکہ یہ بھی ثابت نہین ہوتا کہ مولانا نے صحیحین کا خود بھی مطالعہ کیا تھا، یا مصابیح و مشارق وغیرہ مجموعون مین ان کی حدیثین دیکھی تھین، (سید سلیمان)

خطبۂ صدارت

شعبۂ اردو آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، لاہور

(۱)

از

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی

ادب نواز شرفا! ذرہ نوازی کا شکر کس زبان سے ادا کرون، ایک خاکسار کو بزم ادب مین یاد فرمایا، مسرّ
مین جگہ بخشی، حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو، اردو کے دو قدیم گہوارے لاہور اور دکن، ناچیز کے انتخاب نے پرانے تعلقات
تازہ کئے، حیدرآباد آج بھی ترقیِ اردو کا مرجع ہے، جامعہ عثمانیہ نے اس کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا، یادش بخیر انجمن ترقیِ اردو
بھی وہین پھلی پھولی، اور یہ سب کچھ شہریارِ دکن خلد اللہ ملکہ کے زیر سایہ ہو رہا ہے، لاہور نے بھی زمانہ حال مین اردو
کی خدمت مین نمایان حصہ لیا ہے، رسالہ مخزن نے جدید تعلیم یافتہ دماغون کو نئی ادب کی جانب مائل کیا، اقبال کا
پرچمِ اقبال ان میدانون مین لہرایا جو قدیم ادیبون کی دسترس سے باہر تھے،

حضرات! جس مراسلے نے صدر نشینی کا مژدہ مجھکو سنایا اس مین یہ مشورہ بھی تھا کہ مجھ کو اختیار ہوگا کہ خطبۂ
صدارت مین خواہ لسانیات سے بحث کرون یا ادبیات سے، واقعہ تو یہ ہے کہ لسانیات کے فن مین خاکسار محض کورا
ہے، حال مین بعض رسالے پڑھے الفاظ کے جوڑ بند جس طرح اس فن مین جدا کئے جاتے ہین اس کو دیکھ کر نگاہ مین یہ سمان
پھر گیا کہ باغ مین ایک تازہ پھول دل فریب ہو، ہوا اور فضا دونون اس کے دم سے فیضیاب ہون، نباتیات کے
ایک عالم تشریف فرما ہون پھول کو نگاہِ غور سے دیکھین چنین، پنکھڑیان الگ الگ کرین، ہر پنکھڑی کو چیر کر اس کی
رگین شمار کرین، خلاصۂ تحقیقات کا حق ادا فرمائین، فن کو ترقی بخشین، یہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا مگر پھول کی رعنائی پر توجہ کی

مین گئی، بعینہٖ یہی عالم لسانیات کے مباحث مین نظر آیا جن الفاظ کی رعنائی غالب، دو آتش کے بیان، اہلِ گل فروش
زندہ زن تھی ان کو لسانیات کی تیغ کے نیچے اسی طرح پارہ پارہ پایا جس طرح پھول عالم نباتیات کی چٹکی مین تھا،
منشا اس بیان سے کسی فن کی شان مین گستاخی منظور نہین، کہنا یہ ہے کہ اپنا اپنا ذوق ہے، اپنا اپنا مقصود، عطار
گلاب کھینچ کر خوش ہوئی کہ مریضون کی خدمت کا سامان ہوا، مگر ایک جان سوختہ چلا اٹھا ہے

گلون کی کھینچ کے عطار نے خراب کی بو،

کہان وہ ان کا پسینہ کہان گلاب کی بو،

یہین سے ہے کہ مین نے لسانیات پر ادبیات کو ترجیح دی،

شرفاے ادیب! ادبیات کے سلسلے مین میرا مقصد یہ نہو گا کہ اردو ادب کا تفصیلی جائزہ لون، اصناف
ادب کی ترقی یا تنزل پر گفتگو کرون، ان کے نمونے دکھاؤن، فرقِ مراتب ظاہر کرون، اس کے لئے طویل بحث
درکار ہے، اور وسیع وقت، اور سچ یہ ہے، کہ یہ بحث بہت کچھ ہو بھی چکی ہے، مین چاہتا ہون کہ ان بعض مباحث پر
روشنی ڈالون جو حال مین ظہور پذیر ہوئے ہین، اور جنھون نے ہماری زبان کی رفتارِ ترقی پر گہرا اثر ڈالا ہے،
اس سلسلے مین سب سے اول تاریخِ اردو پر اجمالی نظر مناسب ہوگی، اب تک عموماً اردو زبان کا گہوارہ
شاہجہانی عہد قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ طلب مثلاً آثار الصنادید، تذکرہ آبِ حیات، دریاے لطافت، جب یہ کتابین
لکھی گئین تحقیقات کی حد یہی تھی، اب کہ مختلف کوششون نے مزید راستہ صاف کیا تو دورِ شاہجہانی سے بہت دور
سرحد نظر آنے لگی، چنانچہ مولف تذکرۂ گلِ رعنا نے تحقیق کا قدم آگے بڑھایا، یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اردو زبان
ہندوستان کی دیسی بولیون اور بیرونی زبان کی آمیزش سے بنی ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اہلِ زبان اوّل یہین جو ل
ہوا ہین اور جب ہی اردو زبان کی بنیاد پڑی، یہ دیکھنے سے قبل کہ بنیاد کا آغاز کب ہوا اور کہان ہوا یہ دیکھ لینا
مناسب ہوگا کہ کیونکر ہوا تاکہ سبب اور مسبب کی کڑیان باہم مل جائین،

حضرات! عالم مین جو عظیم الشان تغیرات قدرت کے ہاتھون وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہین وہ

پیش خیمہ ہوتے ہین بڑے بڑے انقلابون کا، ملکون اور قومون کی نئی نئی زندگیون کا، قسم قسم کی جدید حالتون کا، برسات سے پہلے جو ہوائی طوفان مان سون کے نام سے سمندر مین برپا ہوتا ہے، وہ کیسی تازہ عظیم الشان زندگی دنیا کو بخشتا ہے، چٹیل میدان، ہرے بھرے کھیت بنجاتے ہین، دریا موجین مارتے ہین، لو کی زحمت راحت کی تازگی سے بدل جاتی ہے،

علی ہذا القیاس۔

اسی طرح جو تاریخی تغیرات کرۂ زمین کے مختلف حصون مین وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہین وہ انسانی زندگی مین بڑے بڑے انقلابون کا باعث بنے ہین، حکومتون کا نقشہ بدلا ہے، تہذیب وتمدن کو آگے بڑھایا ہے، علوم وفنون کو ترقی بخشی ہے، اسی سلسلے مین زبانین بھی متاثر ہوئی ہین، کبھی پیدا ہوکر بڑھی ہین، کبھی مٹ کر فنا ہوئی ہین، ایک بہت بڑا انقلاب جو تاریخی روشنی سے پہلے ہوا، اگر لسانیات کو برزبان یاد ہے، کہ وسط ایشیا سے آریا نسل کی نقل وحرکت کی صورت مین نمایان ہوا، یورپ وایشیا کی زبانون پر خصوصاً جو گہرے اثرات اس انقلاب کے ہوے وہ اتنے وسیع اور دور رس تھے کہ کتابون کی موٹی موٹی جلدون مین بھی ان کی تفصیل نہین سماتی، زبان سے گذر کردہ نقل وحرکت دنیا کے لئے بہت سے روحانی، سیاسی، معاشرتی وغیرہ انقلابات کا پیام تھی، ایک اور عظیم الشان انقلاب جو تاریخ کو خوب یاد ہے وہ تھا جو تقریباً آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے جزیرہ نمائے عرب کے تپتے ریگستانون مین رونما ہوا، اس انقلاب سے مجھکو یہان صرف اسی حد تک بحث کرنی چاہئے جس حد تک وہ ہماری زبان سے تعلق رکھتا ہے، سب سے اول اس انقلاب نے عربی زبان کو ایام جاہلیت کے محدود ادبی وخیالی دائرے سے نکال کر اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی، ملکی، علمی، اخلاقی، ادبی، وغیرہ وغیرہ مطالب ومضامین کے بیان کی قوت بخشی، عربی نے فارسی کو سنبھالا، توحید سے آشنا کیا، تاریخ نگاری کا سلیقہ بخشا، تصوف سکھایا، ادب کا پایہ اتنا بلند کیا کہ فردوسی وسعدی آفتاب و ماہتاب بنکر نور افشان ہوئے، یہی وہ دو آتشہ مئے ناب تھی جس نے ہمارے ملک ہندوستان مین بزم افروز ہوکر دیسی زبانون کے رگ وریشہ مین گرمی حیات پیدا کی، اندرونی اور بیرونی بولیون

کا سب سے پہلا سنگم سندھ کا ملک ہے، جہان ۹۲؁ھ مین عرب آئے، ان کی زبان عربی تھی، اس لئے اسی زبان کا رواج بنگے عہد مین ہوا، اور سندھی کے دوش بدوش زبانون پر رواں ہوگی، ابن حوقل نے پانچوین صدی ہجری مین عربی اور سندھی دونون کو سندھ مین رائج پایا، چنانچہ اپنے سفرنامہ المسالک والممالک مین کہتا ہے،

ولسان اهل المنصورة والملتان ونواحيها العربية والسندية ولسان اهل المكران الفارسية والمكرانية (دیکھو ص ۲۳۳ مطبوعہ لیڈن) — منصورہ اور ملتان اور ان کے اطراف والون کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والون کی فارسی اور مکرانی،

ظاہر ہے کہ اس میل جول کا اثر سندھی زبان پر ہوا ہوگا، اور غالب ہوا ہوگا، اس اثر مین قوت اس انس نے بخشی ہوگی جو عربون اور سندھیون کے درمیان اس عرصے مین پیدا ہوگیا تھا، اور جس کا ثبوت یہ ہے کہ محمد بن قاسم فاتح سندھ کی وفات پر کرج والون نے اس کا بت بنا کر پرستش کی، شاعرون نے مرثیے لکھے، یہی اثر اردو زبان کا سنگ بنیاد بے خدشہ قرار پاسکتا ہے، افسوس ہے کہ ابھی تحقیق کا قدم سندھ تک نہین پہونچا، اس لئے اس عہد کی نوپیدا سندھی زبان کی نمونے ہماری دسترس سے باہر ہین، ہمنے تھوڑی سی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی، اہل نظر کی تلاش وفکر کا یہ میدان ہنوز منتظر ہے،

سندھ کے بعد پنجاب کا دور تھا، ان دونون دورون کا مقام اجتماع قدرتی طور پر ملتان تھا، ظاہر ہے کہ دور اول اور نئی زبان ہندی کا بھی یہین شروع ہوا ہوگا، اگرچہ یہ دور بھی تشنۂ تحقیق ہے، تاہم ہم کو ممنون اور شکرگذار ہونا چاہئے پروفیسر اختر شیرانی کی جانفشان تحقیق کا جنھون نے "پنجاب مین اردو" لکھکر تحقیقات کو وسعت بخشی، اور بتایا کہ پنجاب نے اپنے دور مین کیا کیا خدمتین اردو کی کی ہین، اس جدید تحقیق سے ایک نیا باب تاریخ اردو مین اضافہ ہوا، پنجاب سے سلطنت دلی مین منتقل ہوئی، غلامون سے لے کر مغلون کے عہد تک اکثر دلی ہی دار السلطنت رہی، اس طویل زمانے مین نئی ہندی زبان کی پرورش دہلی مین ہوتی رہی، افسوس ہے کہ وہان کے نشو ونما کے بھی اکثر دور پردۂ تاریکی مین ہین تاہم علمی، دشمنی ان پردون کو بھی چاک کردے، اس افق پر سب سے اول کوکبۂ خسروی بلند ہوتا ہے، ان کے کلام کے

ؔ[1] تاریخ ہند سید ہاشمی شائع کردہ جامعۂ عثمانیہ ص ۵۳، و تاریخ سندھ، مولفہ عبد الحلیم شرر،

جو نمونے دستیاب ہو سکے ہین وہ صاف ظاہر کرتے ہین کہ ساتوین صدی ہجری مین ہندی زبان خاصی ترقی کرکے دوسری زبانون سے نمایان امتیازی خصوصیت حاصل کر چکی تھی، نمونۂ کلام ؎

زرگر پسرے چو ماہ پارہ | کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست | پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا[1]

یہی زمانہ ہے کہ علاء الدین خلجی نے انتہائے دکن تک اپنی سلطنت کا دائرہ وسیع کیا، یہ سیاسی اثر کی وسعت ہندی زبان کی مزید وسعت کا سبب تھی، خلجی کے بعد محمد شاہ تغلق نے دکن کا رخ کیا، دیوگیر کو لیکر دولت آباد بنایا، اور دلی دولت آباد مین جا بسائی، دلی والے اپنی زبان بھی اپنے ساتھ لے گئے،[2] اتر اور دکن کا یہ سیاسی تعلق بہت ہی جلد ٹوٹ گیا، خود محمد تغلق ہی کے عہد مین علاء الدین نے بہمنی سلطنت کی بنیاد جمادی، سیاسی تعلق کے ساتھ ساتھ دکنی ہندی کا رشتہ شمالی ہندی سے منقطع ہوگیا اور دکنی ہندی نے اپنی دکنی بہنون کے ساتھ مل کر زندگی بسر کی، اس وقت جو ذوق اردو ادب کی خدمت کا حیدر آباد دکن مین پیدا ہو گیا ہے اس کے اثر سے بہت سی کتابین قدیم ہندی کی دستیاب ہو چکی ہین ان مین سب سے پہلی تصنیف اسی دورِ بہمنی کی ہے اور وہ معراج العاشقین ہے جو نوین صدی ہجری کی تصنیف ہے، یعنی آج سے پانچ سو برس پہلے کی اور جس کی نسبت قوی شہادت خواجہ بندہ نواز کی تصنیف ہونے کی پائی جاتی ہے، نمونہ اسکا یہ ہے :-

"یعنی دو جیب کے انگ سون غیر نہ دیکھنا سو، جو من کے کان سون غیر نہ سننا سو، حسد نک سون بد بوئی نہ لینا سو جنس کی زبان سون بد بوئی نہ لینا سو، گینا کی شہوت کون غیر جا کر خرچنا سو، پیر طبیب کامل ہونا نفس پچھان کر دوا دینا"[3]

عہد بہمنیہ سے لیکر عادل شاہی اور قطب شاہی عہد تک دکنی ہندی برابر ترقی کرتی رہی، سب سے اول نثر رائج ہوئی اس کے بعد نظم،

---

[1] پنجاب مین اردو۔ [2] تاریخ اردو قدیم۔ [3] معراج العاشقین صفحہ ۱ مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد دکن۔

نظم مین سب سے پہلی کتابین دسوین گیارہوین صدی ہجری کی دستیاب ہوتی ہین،[1] ان مین ملک الشعرا نصرتی کی مثنوی گلشنِ ہند ہے، جس مین منوہر کنور اور مد مالتی کی عشقیہ داستان نظم کی ہے، یہ مثنوی ۱۰۶۷ھ مین تمام ہوئی، تاریخ

"مبارک ہے یو ہدیۂ نصرتی"

تاریخِ تصنیف ہے، ڈوی ٹاسی نے اگرچہ نصرتی کو برہمن لکھ دیا ہے تاہم واقعہ یہ ہے کہ وہ پکا سنی مسلمان تھا اور سپاہی پیشہ چنانچہ خود لکھتا ہے ؎

بحمد اللہ کرسی بگر سی مری | بھلے آرسے ہین بندگی مین تری

یہ شعر خواجہ بندہ نواز کی منقبت مین ہے، نمونۂ کلام :- ؎

غریبان نوازندہ اے بے نیاز | یو عاجز کی سن عرض کر سرفراز
کہ عاجز ہون ہو عاجزی پر شفیق | ہدایت کون توفیق مجھ دے رفیق
نہ موجود ہونے کے مختار رکھے | نہ اس زندگی کے ہوس دار رکھے
مجھے مست کرنے محبت کا جام | کہ دنیا کا غم دلنے بسر دن تمام

(مناجات گلشنِ عشق)

خود دکن کی مختلف سلطنتون کے فرمان فرما ہندی مین صاحب تصنیف ہوئے ہین، اور اس مین کوئی شبہ نہین ہے کہ ان کے شوق و قدر دانی نے ہندی کی ترقی کی رفتار تیز کرنے مین برق و باد کا کام دیا، قطب شاہیون مین سلطان محمد قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) صاحب کلیات تھا، اس کی کلیات کا ضخیم نسخہ (جو قطب شاہی خاندان کے شاہی کتاب خانہ کا ہے) حیدر آباد مین موجود ہے، عادل شاہیون مین علی عادل شاہ بھی (۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ) ہندی کا شاعر تھا، اس دور مین دکن تو ہندی زبان کی وہ خدمت کر رہا تھا جس کا مجمل بیان اوپر ہوا لیکن جہان تک علم ہوا ہے شمالی ہند فارسی ادب کے ذوق مین سرشار تھا، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ جس کثرت سے ایران کے اہل کمال

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۳ء۔

دلی مین آئے دکن نہ پہونچ سکے، اس کا سبب دربار دہلی کی قومی کشش اور قدر دانی تھی، معہذا بمقابلہ دکن کے دلی پہونچیا
آسمان بھی تھا، یہ مانا کہ "خاک پاک" بیجاپور کو ملک قمی اور ظہوری پر ناز ہے اور بجا ناز ہے، لیکن دلی کا سرمایۂ ناز
اس سے بہت بڑھا ہوا ہے،

یہ دور ختم ہوا تو ادر دکن ایک ہو گئے، شہنشاہ عالمگیر نے اورنگ آباد کو دار السلطنت بنایا، اس طرح اورنگ آباد
ہی شمالی اور دکھنی اہل کمال کا مرجع بن گیا، اس جامعیت نے اردو کی نشو و نما مین ابر بہاری کی تاثیر دکھائی، اورنگ آباد
اور نواحِ اورنگ آباد کی زبان اب تک بمقابلہ دکن کے دوسرے حصون کے دلی کی زبان سے زیادہ ملتی جلتی ہے،
اورنگ آباد ہی کو یہ فخر ہے کہ اس کی خاک سے ولی دکھنی اٹھا جس کی نظم کے سامنے ہمعصر فارسی کلام کا رنگ ماند پڑ گیا
اور اردو شاعری نے فارسی کی جگہ لے لی، اس کے کیا اسباب ہوئے؟ یہان اس کی بحث دلچسپ ہو گی، مغلون نے جو
قوت اور وسعت گاہ فنون لطیفہ کی تربیت و پرورش کی فیاضِ ازل کی بارگاہ سے پائی تھی، اس مین اب تک وہ
فرد مین، اسی تربیت کے اثر سے فارسی تغزل مین وہ لطف و رنگینی پیدا ہوئی کہ خود ایران اس کے پیدا کرنے سے قاصر
رہا، جو اہل کمال ایران سے ہندوستان مین آ کر فیض یاب ہوئے مثلاً عرفی و نظیری، ان کے لطف کلام کو ان کے
وہ ایرانی معاصر نہ پا سکے جو ایران ہی مین رہے، مثلاً محتشم کاشی جس کی بے رنگی کی شکایت شیخ علی حزین نے لکھی ہے، تحقیق
ہے کہ عرفی و نظیری، ہندوستان آ کر خانخانان اور ابو الفتح کی صحبت مین عرفی و نظیری بنے، (ملاحظہ ہو دیباچہ
کلیات عرفی) بہرحال یہ دل آویز ہوش ربا رنگ جہانگیر کے عہد تک قائم رہا، اور یہ وہ رنگ تھا جس کی نسبت ع

"ورائے شاعری چیزے دگر ہست"

کہا گیا ہے، طالب آملی اس دور کا خاتمۃ الباب تھا،

شاہجہانی دور کے شعراء نے متانت کلام اور مثالیہ شاعری سے میدان رد کا، کلیم اور قدسی کے دیوان تک
مین یہ انداز ان پر ختم ہو گیا، عہد عالمگیری کے لئے یہ بھی باقی نہ رہا، محض قافیہ پیمائی رہ گئی، ایک شاعری پر کیا منحصر ہے
سارے فنون لطیفہ پر پانی پھر گیا، بہر حال شاعری رہی "ورائے شاعری چیزے دگر" رخصت ہو گئی، اس بد مذاقی کی

جعفر زٹلی کے کلام سے جاہلی جو مین ثبوت اس امر کا ہے کہ متین کلام مین گرمی سخن باقی نہ رہی تھی، اور وہ ضیافت
طبع کا سامان بہم پہونچانے سے عاجز ہو چکا تھا، ہندوستان پر کیا انحصار ہے جب ایران مین صفویہ سلاطین کا ادب
نواز دربار نہ رہا نا ہو گیا، وہان بھی حزین کے بعد قاآنی کو الگ کر دو تو شاعری ویران نظر آئین گے، نہ تیموری
مثنوی رہے، نہ پھر کمال پروان چڑھا، غرض فطرت انسانی ذوق ادب کی جویا تھی، ہندیون کا فارسی کلام اس میدان
مین سپر ڈال چکا تھا، ہندی شاعری قدم بڑھا رہی تھی، یہی وقت تھا کہ ولی دکنی دلی پہونچے، یہان فارسی بے زبان
تھی، وہان ان کی بھاشا کون سنتا، ان کی کس مپرسی دیکھ کر ایک اہل دل نے ان کو یہ نکتہ بتایا، کہ آتش پارسی سے
اپنے کلام کو گرماؤ، تو اہل مذاق کی آتش شوق کو بھڑکا سکو گے، ولی نے اس نکتہ کو سنکر اپنے کلام کا انداز بدل دیا، یہ پہلا
قدم تھا اس وادی جنون کی طرف جس کے مجنون میر و مرزا اور غالب و ذوق بنے، اس انداز نے تمام ہندوستان مین
آگ لگا دی اردو شاعری کو مقبول عام بنا دیا، پنجاب کا رنگ بدل جاتا ہے، دکن مین باد شمالی چلنے لگتی ہے، الا بھی
ایک ذرہ تخلص اورنگ آبادی (معاصر میر غلام علی آزاد کی) ایک غزل بطور نمونہ ملاحظہ طلب ہے،

مین غبار رہ دلدار ہون اللہ اللہ
خاک نقش قدم یار ہون اللہ اللہ

کیون نہ جا نافے مین خجلت سے چھپے مشک ختن
نکہت طرۂ خمدار ہون اللہ اللہ

رشک سے کیون نہ دل طور تجلی سے جلے
سرمۂ نرگس بیمار ہون اللہ اللہ

دار مژگان پہ جون منصور انا الحق گویان
شیشۂ اشک پری دار ہون اللہ اللہ

مین شہید نگہ یار ہون اللہ اللہ
بسمل خنجر دلدار ہون اللہ اللہ

نیر ہجر سے بن مو مین رہا مین ہم خون
تشنۂ شربت دیدار ہون اللہ اللہ

رخ و رخسار کا عاشق ہون ہمیشہ سیتی
زلف مشکین کا مین ہار ہون اللہ اللہ

ذرہ خورشید لقا سیتی ہوا ہون گلزار
سرد ہون اور گل گلزار ہون اللہ اللہ

(دیگر)

مست آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی ۔۔۔ جس طرح سے کٹے روز گذر جائیگی شب بھی[۱]

حاصل کلام اس ذوق نے اردو نظم کو وہ ترقی دی کہ مرزا غالب کی نازک دماغی نے بھی (جو ہندوستان کے تمام شعرائے فارسی کے باستثنا (امیر خسرو منکر ہیں) اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ جو چیز "ورائے شاعری است" فارسی گو ہندیوں کے یہاں معدوم ہے، لیکن ہندی گویوں کے یہاں ہے، چنانچہ چند شعر اس کے ثبوت میں لکھے ہیں جن میں ایک شعر مومن کا بھی ہے ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ۔۔۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اس دور کے ختم ہوتے ہوتے زمانہ نے پلٹا کھایا، تیموری تخت پر شکست آئی، طوائف الملوکی کی آندھیاں چلنے لگیں، باغ ادب کی بلبلیں پریشان ہوئیں، جس طرح آندھیاں بہت سے بیج ایک جگہ سے اڑا کر دوسری جگہ ڈال دیتی ہیں، اور وہاں گلزار کھل جاتے ہیں، حوادث کی ان آندھیوں نے یہی سلوک ادب اردو کے ساتھ کیا، اردو کے اہل کمال پریشان ہو کر دلی سے نکلے تو مرشد آباد سے دکن تک پھیل گئے، لکھنؤ، فرخ آباد، ٹانڈہ، رامپور، پٹنہ، مرشد آباد، حیدرآباد، کرناٹک، میسور ہر جگہ ان استادوں کے دم قدم سے بزم ادب آراستہ ہو گئی، وہ خود تو برباد ہوئے، مگر ادب کی انجمن آباد کر گئے، اہم واقعہ یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں اردو آسام میں بھی رائج ہو گئی، حالانکہ انگریزی عملداری سے پہلے وہاں سیاسی خارجی اثر بہت کم کامیاب ہو سکا تھا[۲]، سب سے زیادہ حصہ لکھنؤ نے پایا، لکھنؤ کا امن، دلی سے قرب، سب سے زیادہ مجمع اہل کمال کا یہیں ہوا، ہونے میں سہاگہ وہ تہذیب جو فرمانروایان اودھ اور شرفائے اودھ کی متفقہ کوشش سے پیدا ہوئی،

ان اسباب نے ادب میں لکھنؤ کو دلی کا حریف بنا دیا، اس پر بھی ایک نظر ڈالو کہ اگلے استادوں نے خدمت فن

۱؎ دیوان ہندی بالاجی تانک متخلص بہ ذرہ، کتب خانہ آصفیہ نمبر ۸۵۳،

۲؎ Islamic Callure ofa Hyderabad july 1928 p. 342

کس طرح فرمائی، اول تو کاوش اور جانبازی سے خود اپنی تربیت کر کے استادی کے مرتبہ تک پہونچے، صاحب طرز بنے اپنے کلام سے دلوں کو مسخر کیا، شاگردوں کی تربیت کی اور اپنے طرز خاص کو رائج کیا، بڑا کمال یہ کہ کسی حال میں رہے خوش حال یا بدحال، خدمت فن کا اہتمام جان کے ساتھ رہا، انہی بزرگوں کی کوشش سے نظم اردو نے وہ مرتبہ پایا کہ اپنی مقبولیت اور کامیابی پر اس کو بجا ناز تھا، نثر ہنوز سرپرستی سے محروم تھی، رفتہ رفتہ اس کا سامان بھی بہم پہونچ گیا، اٹھارویں صدی کے آخر میں انگریزی سلطنت کے استحکام اور وسعت نے کاروباری زندگی کو تازہ کیا، آئین کی مضبوطی نے نظام سلطنت کو از سر نو فروغ بخشا، ضرورت ہوئی کہ دماغ خیالی میدانوں سے نکل کر عملی زندگی کی فضا میں جوہر دکھائیں، ایک جانب یہ تھا، دوسری جانب حکومت کی ضرورتیں نئے حکام کو ملکی زبانوں کے سیکھنے پر مجبور کر رہی تھیں،

تدریجی رفتار دیکھو، ابتداءً جب کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی کے اختیارات حاصل کئے تو علمی و عدالتی زبان عربی تھی، عدالتی اس لحاظ سے کہ فیصلوں کا مدار عربی فقہ کی کتابوں پر تھا، اس ضرورت سے اول کمپنی نے عربی کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کلکتہ میں، دوسرا مدراس میں قائم ہوا، قاضی القضاۃ، صدر الصدور، منصف، مفتی بڑے بڑے علماء وقت ہوتے تھے، مفتی صدر الدین خان، مولانا فضل امام، قاضی القضاۃ ارتضیٰ علی خان کے نام مثالاً پیش کئے جا سکتے ہیں، اس کے بعد عربی کی جگہ فارسی نے لی، ہدایہ وغیرہ فقہ کی مستند کتابوں کا ترجمہ فارسی میں ہوا، تعزیرات فارسی میں مدون ہوئیں، اس زمانے کے انگریز حکام فارسی کے کیسے ماہر ہوتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے یہ دلچسپ واقعہ سنو، ایک فوجداری کے مقدمہ میں گواہ اظہار دے رہا تھا، سررشتہ دار لکھ رہا تھا، آلۂ ضرب کی موٹائی کے سوال میں گواہ نے اپنے ہاتھ کا انگوٹھا کلمے کی انگلی سے ملا کر بتایا کہ لکڑی اس قدر موٹی تھی، سررشتہ دار کا قلم رک گیا، اور سوچنے لگا کہ کیا لکھوں، یورپین حاکم نے فوراً کہا لکھو، "سر انگشت را با سبابہ ضم کردہ سطبری چوب نمود"

اس دور کے بعد اردو کا دور تھا، اٹھارویں صدی کے آخر میں فورٹ ولیم میں ادب اردو کی ترقی و تعلیم کا اہتمام کیا گیا، ترجمہ اور تالیف کے ذریعہ سے نثر کی اکثر نظم کی کتابیں تیار کرائی گئیں، مشہور روزگار ڈاکٹر جان گلکرسٹ اس کے مہتمم تھے، ان کتابوں کی تیاری سے زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ ملکی و جنگی انگریز حکام ان کو پڑھ کر امتحان دیں اور ہندوستانیوں

کی باتین سمجھین"، اس کے بعد انگریزی کے لئے میدان صاف تھا، یہان یہ تذکرہ دلچسپ ہوگا، کہ اردو ادب نے دو قلعون مین تربیت پائی، ایک دلی کا قلعۂ معلّی، دوسرا کلکتہ کا فورٹ ولیم، قلعۂ معلّی مین شاہ عالم ثانی سے لیکر ابوظفر بہادر شاہ کے عہد تک کا زمانہ نیستی و بربادی کا زمانہ تھا، سلطنت برائے نام تھی بلکہ بدنام تھی، تاہم تیموریون کا ذوقِ ادب اس حال مین بھی کارفرما رہا، قلعۂ معلّی کی زبان اردوے معلّی ٹھہری، اہل کمال کے لئے ٹکسال، میر تقی میر لکھتے ہین، "ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلّی بادشاہِ ہندوستان"[1]، فیضِ تربیت یہ تھا کہ غالب و ذوق سے اساتذہ اسی صحبت مین بنے، آخر مین داغ دہلوی نے نام پایا، فورٹ ولیم کی تربیت نے میر امن، سید حیدر بخش حیدری، شیر علی افسوس وغیرہ وغیرہ سے نثر اردو کی قابلِ قدر بہت سی کتابین لکھوا کر شائع کین، تاہم وہان کے فیضِ تربیت سے میر امن یا افسوس بھی نہ بن سکے اور یہ بیان تشنۂ کمال رہیگا اگر اس کوشش ادبی کا ذکر نہ کیا جائے، جو سر سید اور ان کے قابل رفقا نے ایک تیسرے قلعہ علی گڑھ کے زیر سایہ کی، سر سید کے قلم نے اردو زبان کو علمی، اخلاقی، سیاسی، ادبی، غرض گونا گون زندہ مضامین کے بیان کی قوت بخشی، سینٹفک سوسائٹی قائم کرکے ترجمہ کے ذریعہ سے علم و فن کے مستند سرمایہ سے گرانبار فرمایا، یادش بخیر اسی صحبت علمی کے فیض سے خواجہ حالی مرحوم نے اردو شاعری کو جدید طرز سے آشنا کیا، اور مسدس حالی لکھکر سر سید کی کوشش کو گرانبہا مدد پہونچائی،

دہلی و لکھنؤ میں نے اوپر بیان کیا ہے، کہ دلی کی بربادی کے بعد ادب اردو کی خدمت کا سہرا لکھنؤ کے سر بندھا اور اربابِ ذوق نے وہ خدمت کی کہ لکھنؤ زبان کی دوسری ٹکسال قرار پایا،[2]

حریفون نے دلی و لکھنؤ کو باہم خوب لڑایا ہے، اور بڑے بڑے معرکے گرم کئے ہین، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونون مرکزِ ادب گویا ان معرکون سے بے خبر اپنے اپنے طرز پر خدمتِ ادب مین سرگرم رہے ہین اور ایک دوسرے پر برابر اثر ڈالتا رہا ہے،

لکھنؤ نے تہذیبِ زبان مین زیادہ حصہ لیا ہے تو دلی نے تخیل شعر کا علم بلند رکھا ہے، تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ ہو،

[1] ذکر میر صفحہ ۰، [2] دیکھو دیباچہ امیر اللغات،

لکھنؤ مین پہلا دور تو شعرائے دہلی کا تھا، جنمین میر و مرزا ممتاز ہین، ناسخ نے علم استقلال بلند کیا، اور زبان کی اصلاح کی، ان کے بعد بھی مومن دہلوی کی یادگار نسیم دہلوی لکھنؤ پہونچے، بزم استادی آراستہ کی، ناسخ نے جو اصلاحِ زبان کی تھی اس کو قبول کیا، ساتھ ہی دہلوی تخیل کو قائم رکھا، میر حسن کے خاندان نے اپنی خاندانی خصوصیات ادبی کو برابر قائم رکھا، ان کے پوتے میر انیس اپنے مخصوص محاورون کی بابت فرماتے "یہ میرے گھر کی زبان ہے، حضرات لکھنؤ اس طرح نہین فرماتے"[1] یہین سے انیس و دبیر کے کلام کا فرق سمجھ سکتے ہو، ذرا اس پر غور کرو کہ ناسخ کے حریف آتش دہلوی نژاد تھے، شاید یہی فرق ہے کہ "وہ دے شاعری چیزے دگر" کی شرح مین غالب لکھتے ہین:-

"ناسخ کے ہان کمتر اور آتش کے یہان بیشتر یہ نیشتر ہین"[2]

سلطنت لکھنؤ کی تباہی پر نواب خلد آشیان کے زیر سایہ رامپور مین بزم ادب آراستہ ہوئی، دہلی و لکھنؤ کے دربار نشین جمع ہوئے، اساتذۂ لکھنؤ مین سے امیر تسلیم بحر، امیر، جلال وغیرہ جلوہ فرما ہوئے، دلی کا نام داغ نے روشن کیا، اس اجتماع سے ہر ایک کا اثر دوسرے پر ہوا، ان مشاعرون نے امیر جیسے پرانے استاد کے انداز کلام کو بھی اچھوتا نہ چھوڑا، امیر و جلال کا تو انداز ہی بدل گیا، دونون استادون کا اول و آخر کلام مقابلہ کرکے پڑھو تو یہ فرق صاف نظر آئیگا، آج لکھنؤ مین کلام غالب کا جو ذوق ہے وہ عیان ہے، بیان کی حاجت نہین، اس ربط کا دلپذیر سمان یہ ہے کہ دہلی و لکھنؤ کی استادی کے آخری علم بردار داغ و میر حیدر آباد کی ایک نامور درگاہ مین پہلو بہ پہلو آرام فرما ہین،

ہماری زبان کے نام،

یہ بحث اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہے، اس لئے اس کا بیان مین نے ضروری خیال کیا،

ہندی آج جو زبان اردو کے نام سے مشہور ہے، اس کا اصلی اور مقبول عام قدیم نام "ہندی" ہے، یعنی جو زبان دیسی اور پردیسی زبانون کے اختلاط و ربط سے ہندوستان مین پیدا ہوئی اس کا نام ہندی قرار پایا، اور عہد قدیم سے لیکر اب سے کچھ زمانہ پیشتر تک اس کا یہی نام رہا، ذیل کی شہادتین اس مدعا کو ثابت کرین گی،

[1] آب حیات ذکر میر انیس مرحوم، [2] تذکرہ گل رعنا حال آتش،

(۱) شیخ سعدی شیرازی نے ایک قطعہ لکھا ہے، جس مین ترکی، گازرونی، تازی، کاشی، قزوینی، شیرازی، وغیرہ زبانون مین اشعار لکھے ہین، اس کا مطلع ہے، ے

دلبرے دارم نکو مانند شمس و قمر ۔۔۔ دلرباے جانفزاے قندخاے چون شکر

اسی ،، دلبر،، کی زبان سے مذکورہ بالا زبانون کے اشعار سنوائے ہین، اس مین ایک شعر ہندی کا بھی ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے :- ع

گہ ہندی گویدم پانی ہین روٹی کھن[1]

(۲) ترجمہ شمائل الاتقیا (جو سنہ [illegible]ھ مین دکن مین ترجمہ ہوئی) ،، اپنی حیات کے مجمع اشارات کئے تھے، جو شمائل الاتقیا کتاب کون ہندی زبان مین لیاوئے،،[2]

(۳) ترجمہ معرفت السلوک "دو کتاب معرفت السلوک جو تصنیف حضرت پناہی محمود شیخ الشیوخ ...... ہے، فارسی زبانون لے ہندی زبانون بیان کرے"[3]

(۴) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، زاد المتقین، الی سلوک الدین مؤلفہ سنہ [illegible]ھ مین فرماتے ہین "دیاسندیان در تقریر فارسی تکلف نہ کنند وہم بزبان ہندی اکتفا فرمایند"[4]

(۵) ترجمہ قرآن شاہ عبد القادر دہلوی "اس واسطے اس بندۂ عاجز عبد القادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کر گئے ہین سہل و آسان، ویسے ہی اب ہندی زبان مین قرآن شریف کو ترجمہ کریئے، الحمد للہ والمنہ کہ سنہ ۱۲۰۵ھ مین میسر ہوا ...... دوسرے یہ کہ اس مین زبانِ ریختہ نہین بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو"[5]

---

[1] کلیات سعدی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۵۶ھ ص ۱۰۰، [2] دیباچہ ترجمہ شمائل الاتقیا نسخہ کتاب خانہ آصفیہ، [3] ترجمہ معرفت السلوک نسخہ کتاب خانہ آصفیہ، [4] اردوے قدیم حکیم شمس اللہ قادری، [5] مقدمہ ترجمہ قرآن شاہ صاحب ممدوح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۲۹۲ھ،

میر تقی میر نے نکات الشعرا مین زبان اردو کو ہندی لکھا ہے، چنانچہ آگے آتا ہے، انشاء اللہ خان کے زمانہ مین اگرچہ اردو کا لفظ رائج ہو چلا تھا، تاہم وہ اس زبان کے لئے ہندی کا لفظ بھی استعمال کرتے جاتے ہین، دریاے لطافت مین لکھتے ہین "در این عبارت ہندی کل ہم تمھارے یہان گئے تھے ...... دیگر ہو لو کہ بہندی بجائے اگر بہ مستعمل است" علیٰ ہذا القیاس ،، اخیر زمانہ تک بھی یہ نام باقی رہا، چنانچہ جان گلکرسٹ نے جو بیاض اردو شعرا کے منتخب کلام کی جمع کی تھی، اس کا نام ،، بیاضِ ہندی ،، رکھا، اور ایک اور اردو کتاب کا نام ،، اتالیقِ ہندی[1]،،

مرزا غالب کے خطوط کے ایک مجموعے کا نام ،، اردوے معلی ،، ہے، تو دوسرے کا نام ،، عودِ ہندی ،، یہی وجہ ہے کہ زبان ہندی (اردو) کو ملکی و دوسری دیسی زبانون سے ممتاز کرنے کے لئے ایک اور لفظ ،، ہندوی ،، رائج تھا،

آٹھوین صدی ہجری کی ایک لغت کی کتاب ہے ،، بحر الفضائل فی منافع الافاضل ،، اس مین عربی، فارسی، ترکی کے ان الفاظ کے معنی دیسی زبان مین بھی بتائے ہین، جو اساتذہ و شعراے فارسی کے کلام مین رائج تھے، مصنف ہر جگہ دیسی زبان کے لئے ،، ہندوی ،، کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً خردل ...... ہندوی رائی گویند، خرس ...... در ہندوی ریچھ گویند" علیٰ ہذا القیاس[2]،

فرشتہ اپنی تاریخ مین ابراہیم عادل شاہ کے ذکر مین لکھتا ہے۔ ،، و دفتر فارسی برطرف ساختہ ہندوی کرد ،، محمد شاہ بادشاہِ دہلی کے عہد مین راجہ ایامل نے عالمگیر کے رقعات مرتب کرا کر ،، دستور العمل آگاہی ،، نام رکھا تھا، سنہ ۱۱۵۶ھ مین یہ مجموعہ مرتب ہوا، اس مین ایک رقعہ کی تمہید ہے ،، در ایامیکہ شجاع بدفعہ اول در مقابلۂ عالمگیر بادشاہ ہزیمت خوردہ فرار نمود ...... و از اتفاقات در آن ایام نوشتہ خط ہندوی اعلیٰ حضرت کہ بنام شجاع فرستادہ بدست آمدہ بود ،، اور رقعہ مذکور کی عبارت یہ ہے ،، عرضی ...... از سبب گرفت دیگر خطوط استفسار شدہ بود ...... چنانچہ از نوشتہ کہ بخط ہندوی بہ شجاع نقلی گردیدہ بود ،،

(۲) ریختہ | یہ نام بمقابلہ ،، ہندی ،، کے بہت جدید ہے، اور بظاہر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد مین بارھوین صدی ہجری

---

[1] ارباب نثر اردو ص ۱۹ و ۲۰، [2] بحر الفضائل مؤلفہ محمد بن قوام بلخی نسخہ کتب خانہ آصفیہ،

کے وسط مین رائج ہوا، ولی دکنی کا شعر ہے:۔

"یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند"

یہ لحاظ رہے کہ ریختہ دراصل نظم اردو کا نام تھا، اور زیادہ تر اسی زبان کے لئے استعمال ہوا جو نظم کی یا شعر کی تھی زیادہ عام کہو تو فصحی کی، چنانچہ میر تقی میر نکات الشعراء کے خاتمہ مین لکھتے ہین:۔ "بدان کہ ریختہ بر چندین قسم است" اس کے بعد یہ چھ قسمین لکھی ہین:۔

(۱) ایک مصرعہ فارسی دوسرا ہندی، (۲) نصف مصرعہ ہندی اور نصف فارسی،
(۳) حرف و فعل فارسی استعمال کرین، (۴) فارسی ترکیبین مستعمل ہون،
(۵) ایہام، (۶) انداز جو میر صاحب کا مختار ہے، جس مین ادابندی فصاحت و بلاغت شامل ہو،

محمد قیام الدین قائم اپنے تذکرہ مخزن نکات مین کہتے ہین کہ "ذکر و بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ"
شاہ عبد القادر صاحب کی جو عبارت اوپر نقل ہوئی وہ بھی یہ امتیاز ظاہر کرتی ہے، یہی وجہ تھی کہ مشاعرہ کے مقابل مین (جو اس عہد مین فارسی کلام کے لئے ہوتا تھا) "مراختہ" کا لفظ ایجاد ہوا، حاکم لاہوری اپنے تذکرہ "مردم دیدہ" مین خان آرزو کے حال مین لکھتے ہین:۔

"مراختہ در خانہ خان آرزو بتاریخ پانزدہم ہر ماہے می باشد" خواجہ میر درد کے حال مین لکھا ہے، "باشعر ربط بسیار دارد بسیار ریختہ کہ الحال در ہندوستان رواج دارد"

(۳) اردو سب جانتے ہین کہ یہ لفظ ترکی ہے، لشکر کے معنی مین، ابتداءً مغل اور ترک بادشاہ لشکر ہی مین رہتے تھے، اس لئے دربار و سراپردہ بھی لشکر ہی مین ہوتا تھا، اس امتیاز خاص سے شاہی لشکر "اردوے معلی" کہلایا، اور بارگاہ و سراپردہ کا نام "اردوے معلی" ہوا، یہ تو عام بات ہوئی، دیکھنا یہ ہے کہ یہ لفظ ہماری زبان کے لئے بجائے "ہندی" اور "ریختہ" کے کب سے رائج ہوا، جن مورخین اردو نے عہد شاہجہانی کو اردو کے نشو و نما کا عہد قرار دیا ہے، وہ شاہجہان کے اردوے معلی کی مناسبت سے

اس کا اردو نام رکھا جانا تجویز فرماتے ہین، مگر اس کی کوئی سند نہین کہ عہد مذکور مین اس زبان کا نام اردو تھا، انتہا یہ کہ دلی کے اردو بازار کا نام بھی اس عہد مین یہ نہ تھا، ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ ابتدا سے آخر تک ہماری زبان کا نام ہندی رہا، جب ولی دکنی نے مضامین فارسی کی چاشنی ہندی نظم مین پیدا کی تو خاص ادبی و شعری زبان کو ریختہ کہنے لگے، اس وقت تک بھی اردو کا لفظ اس زبان کے لئے مستعمل نہ ہوا تھا، چنانچہ میر تقی میر، میر حسن دہلوی، قیام الدین قائم نے اپنے اپنے تذکرون مین کلام اردو کے لئے ریختہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، اردو کا لفظ اس مفہوم مین استعمال نہین کیا، ذکر میر اور تذکرہ نکات الشعراء مین میر صاحب لکھتے ہین، "در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلی شاہجہان آباد دہلی" (دیباچہ نکات الشعراء) "ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلی بادشاہ ہندوستان" (ذکر میر) البتہ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ اردو کا مولد و ماویٰ دربار تھا نہ بازار، اور اردو اردو بازار سے نہین نکلی، بلکہ اردو بازار اردو کے لئے بنایا گیا ہے، چنگیز خان اور ہلاکو کی دھاک ایک عالم مین بیٹھی ہوئی تھی، قیاس ہے کہ اسی اثر سے یہ لفظ روس کے ملک مین پہونچا، اورڈا (Orda) کے روپ مین وہان سے یورپ مین آیا اور "ہورڈ" Hoard بن گیا، دریاے والگا کے کنارے سرائے (ملک روس) مین یا تو خاندان کی محلسرا اردوے مطلا کہلاتی تھی، (Golden ordu) تاشقند اور خوقند مین اب اردو قلعہ کے معنی مین مستعمل ہے، اسی لئے دلی کا قلعہ اردوے معلی کہلایا ہوگا، اگرچہ دلی مین سلطنت کی ابتدا غلامون سے ہوئی اور عرصہ تک قائم رہی، یہ غلام ڈال کے ٹوٹے ہوئے ترک تھے، تاہم اردو کا لفظ اپنے لغوی معنی مین مغلون کی آمد سے پہلے ہندوستان مین رائج نہین ہوا، جہان تک عہد بالا کے متعلق کتابین دیکھی گئین یہ لفظ نظر سے نہین گذرا، انتہا یہ کہ مذکورہ بالا کتاب بحر الفضائل نے وہ ترکی الفاظ بھی لکھے ہین، جو اساتذہ کے کلام مین مروج تھے، مگر اس نے بھی اردو کا لفظ نہین لکھا، حالانکہ باب الف مین دوسرے ترکی الفاظ مذکور ہین، اردوے قدیم کے مولف نے موید الفضلاء کے حوالے سے سکندر لودی کے عہد مین اس کا استعمال بتایا ہے، مگر پروفیسر شیرانی نے اس کو مجروح کر دیا ہے، قطعی طور پر اس لفظ کا استعمال عہد بابری سے پایا جاتا ہے

Hobson Jobson by Col. Yule
۱ آثار الصنادید ۲ ایضاً بحوالہ تاریخ مرآت آفتاب نما، ۳
۴ by Yule A.C. Burnell London 1903 p 639, 640 ۵ رسالہ اردوے قدیم ص ۳

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک اردوے معلی قلعہ شاہی کے واسطے مخصوص تھا، زبان کے لئے عام طور پر استعمال نہین ہوتا تھا، دیکھو سودا کے حال مین میر صاحب فرماتے ہین، "سر آمد شعراے ہندی اوست" (نکات الشعرا) سر آمد شعراے اردو نہین فرماتے، اسی بیان مین فرماتے ہین، "شاعر ریختہ ملک الشعرائی ریختہ او را شاید" یہان بھی ملک الشعراے اردو نہین خواجہ میر درد کے حال مین لکھا ہے، "مجلس ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است" میر سجاد "شاعر خوب ریختہ" فغان "شعر ریختہ خوب می گوید" پاکباز "در مجمع شاعران ریختہ" دلی "در ریختہ خود بکار بیر" سید عبد الولی "میدان ریختہ" غرض ہر جگہ ریختہ ہی ریختہ ہے اردو کہین نہین، میر حسن کا تذکرہ "تذکرہ سخن آفرینان ہندی زبان" اول ریختہ در زبان دکھن رواج یافتہ" (احوال متقدمین) احمد گجراتی کے حال مین "در زبان سنسکرت دبھا کا می گویند کہ تصانیف بسیار دارد"...... "دو سہ ریختہ ہم گفتہ" میر محمد حسن کلیم .... "ترجمہ نصوص در زبان ریختہ کردہ کتابے در نثر ہندی نثر ایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ بیاد ماندہ قلمی می نماید............ کل کے دن تھے بادشاہ وزیر، آج کے دن ہو بیٹھے ہین اندھ بصیر ویسی دولت سے زنہار............ فاعتبروا یا اولی الابصار" غرض ہر جگہ یہان بھی ریختہ ہی ریختہ ہے، علیٰ ہذا القیاس، قیام الدین قایم کے تذکرہ مین،

بعض اہل الراے کا قول ہے (اور مجھکو اس سے اتفاق ہے) کہ عام طور پر لفظ اردو زبان کے لئے رفتہ رفتہ اٹھارہوین صدی کے آخر مین استعمال ہونا شروع ہوا، عہد شجاع الدولہ و آصف الدولہ مین سید عطا حسین نے "نو طرز مرصع" تالیف کی، اس مین ایک ہی صفحہ مین اپنی زبان کے لئے "ریختہ" "ہندی" "زبان اردوے معلی" استعمال کرتے ہین، خالی زبان اردو یا اردو زبان بھی نظر سے نہین گذری، اس کے بعد رفتہ رفتہ محض لفظ اردو زبان کے لئے استعمال ہونے لگا، مصحفی ؎

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی،

کہین کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

"قواعد زبان اردو" (دریاے لطافت انشا، دیباچہ) داغ ؎

---

١ نکات الشعرا،

نہین کھیل اے داغ یارون سے کہہ دو

کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

یہ بحث کہ ہندی کی جگہ پر اردو نے کیون قبضہ کیا، آگے ملاحظہ ہو،

(٤) **ہندوستانی:** چوتھا نام ہماری زبان کا "ہندوستانی" ہے، اور یہ خالص یورپین پیداوار ہے، اس نام مین خاص غور کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بعض پیچیدہ مسائل اسی کے استعمال سے پیدا ہو گئے ہین،

سب سے پہلے پرتگیزون نے سترہوین صدی عیسوی مین ہماری زبان کا نام "اندوستان" (Indostan) رکھا، یہ وہ زمانہ ہے، کہ مسلمان مور کہلاتے تھے، اسی صدی مین زبان کو اندوستانی بھی بول جاتے تھے، مور بھی کہدیتے تھے، ١٧١٦ء مین ہندوستانی زبان (Hindostani Language) کا لفظ پایا جاتا ہے، ١٧٢٦ء مین ایک مورخ لکھتا ہے "یہان کی (ہندوستانی) زبان "ہندوستانڈ" (Hindostand) یا موز ہے" اٹھارہوین صدی تک عام طور پر ہندی زبان کا نام مور رہا، جیسا کہ ٹامل کا "ملابار" اور بنگالی کا "بنگال" اردو کو اسی طرح اندوستان کہتے تھے، اور یہ بھی سن لو کہ شاہی فوج کے افسر اس نیک بخت کو کالی زبان (Black language) کہتے تھے، سیاہ تالو تو سنا ہوگا، سیاہ زبان بھی سن لو، ہندوستانی کے معنی بھی سننے کی قابل ہین "ہندوستانی....... اس ملک کی زبان ہے، مگر فی الحقیقت بالاے ہند کے محمدیون کی زبان، اور بالآخر دکن کے محمدیون کی زبان جو میان دوآب کی ہندی بولی سے خصوصاً اور اس حصۂ ملک کی بولی سے جو آگرہ و دہلی کے نواح مین ہے، فارسی الفاظ و جملون کی آمیزش سے بنی اور جو دوسرے غیر ملکی الفاظ کے قبول کرنے کو بھی تیار ہے، اس کا نام اردو بھی ہے، یہ زبان عرصہ دراز تک مسلمانون کی زبان عام، اور Langua franca تمام ہندوستان مین خصوصاً رہی اور اب بھی اسکو یہ امتیاز ملک کے بڑے حصے اور خاص جماعتون مین حاصل ہے، اولڈ فیشن کے اینگلو انڈین اس کو مورز کہتے تھے، اب ہندی کے معنی سنو، بہت ہی عام طور پر یورپ مین ہندوستان کی ان زبانون کو کہتے ہین جو فارسی محاورات سے بمقابلہ ہندوستانی کے

---

١ Hobson Jobson, p. 418, 639, 642, 415, 584.

٢ نور اللغات و امیر اللغات

کثر متغیر ہوتی ہین جو خصوصاً ممالک مغربی و شمالی (اب صوبجات متحدہ شرقی ودانی) کے دیہاتی رہتے ہین، اور ان کے سرحدی مقامون
مین بولی جاتی ہین، ہندی کا سب سے قدیم کلام چاند بردائی کی مشہور نظم ہے،، گرائرسن نے اپنی کتاب مین جس کا نام "ہندوستان کا
موجودہ دیسی ادب" ہے، تین زبانون سے بحث کی ہے، مارواڑی، ہندی اور بہاری، ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ زبانین
ہندوستان کی ہین، جس سے مراد راجپوتانہ، میان دوآب جمنا و گنگا، کنارۂ دریاے کوسی تک ہے،" یہ بھی لکھا ہے کہ "مین نے
پردیسی ادبی اردو کو خارج از بحث رکھا ہے"، اسی مستند ماہر زبان کا ایک اور فقرہ قابلِ غور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
"انیسوین صدی کا نصف اول جو مرہٹون کی حکومت سے لیکر غدر کے زمانہ تک رہا، ایک ممیز عہد ہے، گذشتہ صدی کی ادبی
تباہی کے بعد یہ ترقی اور تجدد کا دور تھا، شمالی ہند مین اسی زمانہ مین عملاً مطبع کا ظہور ہوا، اور تلسی داس کی روح کی رہنمائی
سے صحیح قسم کا ادب سرعت کے ساتھ تمام ملک مین پھیل گیا، یہ زمانہ ہندی زبان کی پیدایش کا تھا، جو انگریزون کی ایجاد تھی،
جس کا پہلا استعمال تالیف نثر مین گلگرسٹ کی زیر تعلیم ۱۸۰۳ء مین للوجی لال نے کیا جو پریم ساگر کے مؤلف تھے"[۱]، اس بحث کی
مناسبت سے فورٹ ولیم کی خدمات ادبی پر پھر ایک نظر ڈالنی مناسب ہے، اٹھارہوین صدی کے خاتمہ پر لارڈ ولزلی کے
عہد مین فورٹ ولیم کالج سرکاری افسرون کو یورپین اور دیسی زبانون کی تعلیم دینے کے واسطے قایم ہوا، ڈاکٹر جان گلگرسٹ
اس کے صدر مقرر ہوئے، جن کی سرپرستی مین بہت سی اردو کتابین لکھی گئین، اسی دور مین اردو کے لئے ہندوستانی کا لفظ مستند
ہو گیا، چنانچہ جان گلگرسٹ نے اپنی مشہور "انگریزی ہندوستانی ڈکشنری" لکھی، جو کلکتہ سے ۱۷۹۲ء مین شائع ہوئی، علی ہذا القیاس
ہندوستانی علم اللسان[۲]،

میر امن باغ و بہار مین لکھتے ہین "جان گلگرسٹ صاحب نے .... فرمایا کہ قصے کو ایسی ٹھیٹ ہندوستانی
گفتگو مین جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص عام بولتے چالتے ہین ......"

فورٹ ولیم کی سرپرستی کی جہان اردو نثر ممنون ہے وہان للوجی لال کی تصانیف بھی ہین جن کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ

[۱] Grierson's The Modern Vernacular Literature pp VIII, XXI

[۲] ارباب نثر اردو ص ۱، ۳۰

"انھون نے اپنی کتابون کے ذریعہ زبان اور طرز بیان کا ایسا پسندیدہ نمونہ پیش کیا کہ متاخر ہندی اہل قلم نے اسی پر اپنی تحریرون
کی بنیاد رکھی، ان دونون (للوجی لال اور سدل مسرا) نے اس زمانہ کے عام اردو مولفین کے برخلاف اردو نثر سے عربی فارسی
کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ نکال کر سنسکرت کے کم اور برج بھاشا کے زیادہ سلیس اور عام فہم الفاظ داخل کئے، اور اپنی کتابین
دیوناگری رسم خط مین لکھکر ہندی نثر نویسی کے اول نمونے قوم کے آگے پیش کئے"[۱]

گرائرسن کی شہادت ملاحظہ ہو "۱۸۰۳ء مین گلگرسٹ کی زیر تعلیم للوجی لال نے مخلوط اردو مین (جو اکبر کے لشکری
شاگرد پیشہ کی اور بازار کی جہان تمام قومون کے آدمی جمع ہوتے تھے زبان تھی) پریم ساگر لکھی، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مولف
نے اسم اور حروف ربط ہندی الاصل بجاے عربی و فارسی الاصل کے استعمال کئے، اس کا نتیجہ عملاً ایک نو ایجاد بولی ہوئی جس کی
گرامر اگرچہ نمونۂ سابق کے مطابق تھی مگر محاورہ بالکل بدل گیا، یہ نئی زبان جس کو یورپین ہندی کہتے ہین، ہندوستان کے
ایک سرے سے دوسرے سرے تک بطور ہندؤن کی زبان عام (لنگوا فرینکا) کے اختیار کر لی گئی، اور اس کی ضرورت
تھی جو پوری ہو گئی، یہ زبان بطور ذریعہ ادبی نثر کا تمام شمالی ہند مین بن چکی ہے، اگرچہ بوجہ اس کے کہ وہ کہین کی بولی نہین
نظم نگاری مین کام نہین آئی اگرچہ بڑی سے بڑی ذہانت نے اس کی کوشش کر لی ہے مگر کامیاب نہ ہوئی، لہذا شمالی ہند
مین آج کل ادب کا یہ لاثانی عالم نظر آتا ہے کہ اکثر نظم ہر جگہ مقامی بولیون مین لکھی جاتی ہے، خصوصاً برج بیسواڑی اور
بہاری مین، اور اس کی نثر ایک یکسان مصنوعی بولی مین جو کسی ہندی نژاد کی مادری زبان نہین اور جس کو اس کے
ایجاد کنندون کی سرپرستی نے بزور منوالیا، اس لئے کہ اس مین ابتداءً جو کتابین لکھی گئین وہ نہایت عام پسند حیثیت کی تھین،
اور اس وجہ سے کہ اس نے ایسا میدان پالیا جس مین وہ علانیہ طور پر مفید ثابت ہوئی"[۲] ڈی ٹاسی کے بیان پر بھی ایک نظر
مناسب ہے، یہ مشہور فرانسیسی مصنف ادبی بیان مین مولفین و شعرا کے مذہب کا تعین ضروری سمجھتا ہے، سنی شیعہ کی تمیز
کرتا ہے، نصرتی کو برہمن بنادیتا ہے، زبان کی یہ تقسیم بھی اسلامی اور ہندوی کرتا ہے، اپنے خطبۂ دوم (۱۸۵۱ء) مین کہتا ہے

[۱] ارباب نثر اردو ص ۱، ۲

[۲] Grierson's Modern Vernacular Literature of Hindustan Ch X P. 107

ہندوستانی زبان کی ہندوی اور اسلامی شاخون کا علم ادب صرف کثیرہی نہین بلکہ مختلف نوعیت کا بھی ہے، سنسکرت کے فریق سے (جنکی زبان ہندو ہندوستانی ہے) شکنتلا کا قصہ ملے گا، فارسی کا فریق (جن کی زبان اسلامی ہندوستانی ہی) ولی کا دیوان پیش کریگا، اب رہا خالص ہندوستانی فریق اس سے ایک کتاب ،، مہر وماہ ،، آپ کو سنائیگا، جس طرح ہندوستانی لکھنے کے دو طریقے ہین ایک فارسی حروف مسلمان ہندوستانی کے لئے، دوسرا دیوناگری مین ہندو ہندوستانی کے لئے ہندوی ،، اور مسلمانی دونون شاخون مین نظم مقفی ہوتی ہے،

ایک قصہ نظم مین جس کا نام ،، بخت جگر ہے ،، بال مکند سکندر آباد کے رہنے والے نے لکھا ہے، اگرچہ یہ شخص ہندو ہے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مگر اس نے یہ تصنیف اردو ہی مین کی ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اردو شمال مین مسلمانون کی ہندوستانی ہے ،، یہان سوال ہوسکتا ہے کہ کیا سکندر آباد و نواح دہلی مین بھی ہندو مسلمانون کی بولی جدا جدا تھی،،

تیسرا لکچر ۵ ر دسمبر ۱۸۵۲ء ہندوستانی اہل ہند کی زبان ہے، مگر یہ زبان اپنے حقیقی حدود سے باہر بھی بولی جاتی ہے خصوصاً مسلمان، اور سپاہی اس کو تمام جزیرہ نمائے ہندوستان مین، نیز ایران، تبت اور آسام مین بھی بولتے ہین اہل یورپ ہندی سے ہندوؤن کی بولی مراد لیتے ہین جس کے لئے ہندوی بہتر ہے، اور مسلمانون کی بولی کے لئے ہندوستانی کا نام قرار دیا ہے، اور شمال کے مسلمانون کی زبان یعنی ہندوستانی اردو، ممالک مغربی وشمالی کی سرکاری زبان قرار دی گئی ہے، ہندوستانی زبان، یا ہندوستانی (یعنی ہندوستان کی زبان) کی یہ تفریق (یعنی ہندی اور اردو) مذہب نے پیدا کی ہے ،، اس لئے عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندی ہندوؤن کی اور اردو مسلمانون کی زبان ہے،،

فورٹ ولیم کالج اور دیگر یورپین ادبی سرگرمیون کا منجملہ بہت سے نتائج کے جو ایک نتیجہ زبان کی تفریق کا پیدا ہوا اس کا قصہ ستارہ ہند راجہ شیو پرشاد کے قلم کی زبانی سنئے، راجہ صاحب کی نسبت گرائرسن نے لکھا ہے ،، وہ اپنی اس کوشش کے لئے مشہور ہین، کہ ہندوستانی زبان کے ایک ایسے طرز کو عام فہم بنادین جس کو وہ آگرہ، دلی اور لکھنؤ یا خاص ہندوستان کی عام بولی کہتے ہین جو فارسی سے گران بار اردو اور سنسکرت سے گران بار ہندی کے درمیان مین ہے، اس کوشش نے ایک

لے رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۱ء ترجمہ خطبات ڈی ٹاسی، مترجمہ نواب مسعود جنگ بہادر،

گرماگرم اور ہنوز غیر منفصل مباحثہ باشندگان ہند کے درمیان پیدا کر دیا ہے، غرض راجہ صاحب لکھتے ہین ،، یہ عجیب وغریب بات ہے کہ ہماری دیسی زبان متواتر ایسے دو خطون مین لازماً لکھی جائے جیسے فارسی اور ناگری ہین، ایک سیدھی طرف سے لکھا جاتا ہے، دوسرا الٹی طرف سے، لیکن یہ بالکل انوکھی بات ہے کہ اس کی گرامرین بھی دو ہون، یہ حماقت ڈاکٹر گلکرسٹ کے وقت کے پنڈتون اور مولویون کی بدولت وجود مین آئی، وہ مامور تو اس امر پر تھے کہ باشندے ہند کی عام زبان کی ایک عام صرف ونحو بنائین مگر انھون نے دو گرامرین بنادین، ایک خالص فارسی عربی کی دوسری خالص سنسکرت اور پراکرت کی، مولوی سنسکرت سے ناواقف تھے، اور انھون نے یہ بات نظر انداز کی کہ ہماری زبان کی بنیاد آرین ہے، اسی طرح پنڈت سامی اثرات مابعد کے قبول کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے، یہان سے وہ اردو سے فارسی نکلی جو سرکاری دفترون مین ہے، جس کو عام آبادی نہین سمجھ سکتی ہے، اسی طرح پریم ساگر کی خالص ہندی ناقابل فہم ہے، ایک تو قومیت سے اس قدر عاری ہے کہ مقبول عام نہین ہوسکتی، دوسری خلاف انداز مین ان واقعات سے انکار کرتی ہے جن کے اثر سے اردو ایک زبان بن گئی نتیجہ اس کا یہ ہے کہ بجائے عام دیسی زبان کے اسکول گرامر بناکے یا بالفاظ دیگر ایک ایسی عام گرامر کی جو فارسی اور ناگری دونون حرفون مین بے کھٹکے لکھی جائے۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ ہمارے یہان دو متضاد اور مخالف جماعت کی کتابین ہین ایک مسلمان اور کایستھون کے لئے دوسرے برہمنون اور نجومیون کے لئے،، دوسری جگہ لکھتے ہین ،، ناوان مولویون اور پنڈت دونون کی یہ بڑی بھول ہے، کہ ایک تو سوا سے خط اور حرفون کے باقی سب الفاظ صحیح فارسی عربی کے کام مین لانا چاہتے ہین اور دوسرے صحیح پانن کی ٹکسال کی کھری سنسکرت گویا یہ جو ہزارون برس سے ہم ہی لوگ ہزارون حالتون کے سبب سے ہزارون رد وبدل اپنی بولی مین کرتے چلے آئے ہین وہ ان کے رتی بھر بھی لحاظ کے قابل نہین، بلکہ اس دستور کی جسے ایک طبعی قانون کہنا چاہئے، ان کے آگے کچھ گنتی ہی نہین سخت مشکل سنسکرت لفظون کو جو ہزارون برس دانت ہونٹ جیبھ سے ٹکراتے ٹکراتے گول مٹول پہاڑی ندی کی بٹیا بن گئے ہین پنڈت جی پھر ویسے ہی کھردرے سنگھاڑے کی طرح نکیلے پتھر کے ڈھوکے بنانا چاہتے ہین، جیسے وے ندی مین پڑنے سے پہلے پہاڑ سے

لہ اردو صرف ونحو کا انگریزی دیباچہ مطبع سرکاری الہ آباد GRIERSON'S M.U.L.P148 لہ

سنہ ۔ مولفہ راجہ شیو پرشاد،

ٹوٹنے کے وقت رہتے ہین، اور مولوی صاحب اپنے ذہن تو کام مین لانا چاہتے ہین، کہ بیچارے لڑکے بلبلاتے بلبلاتے اور زودہی بن جاتے ہین، پر تماشا یہ ہے کہ ادھر تو مولوی صاحب یا پنڈت جی ایک لفظ صحیح کرنے مین یا پردیسی ہونے کے قصور مین اسے کالا پانی جانے کا حکم دیتے ہین، اور ادھر تب تک لوگ سو لفظون کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیتے ہین، اس دیس کی بولی کا فارسی عربی ترکی اور انگریزی لفظون سے خالی کرنے کی کوشش ویسی ہی ہو جیسے کوئی انگریزی کو یونانی لاطینی فرانسیسی المانی وغیرہ پردیسی لفظون سے خالی کرنا چاہے یا جیسے دو ہزار دن برس پہلے بولی جاتی تھی، اس کے اب بولنے کی تدبیر کرنے" ایک اور ماہر زبان کی رائے سنا کر اس داستان کو ختم کرتا ہون، "تمامتر کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ملک کی زبان اردو رہے، یعنی تیس چالیس برس ادھر کی اردو جس کی بنیاد ہندی ہے، بیرونی الفاظ کی بے تکلف آمیزش کیساتھ، کیونکہ یہی وہ شکل ہے جس مین وہ خود بخود متشکل ہوئی ہے، اس کے رنگ برنگ ہونے کو برداشت کرنا بلکہ سراہنا چاہئے درآن حالیکہ مصنوعی یکسانیت ناکامی کے مرادف ہوگی............بہت تھوڑا زمانہ گزرا کہ ہندو اور مسلمان دونون کی زبان کا ایک ہی روزمرہ تھا اگرچہ ہندو ابتدائی موانست اور شاید ایسے مضامین کی قدرتی نوعیت کی وجہ سے بھی جن کا تعلق دیومالا سے ہو فطرۃً (لیکن نہ لازم یا مناسب طور پر) زیادہ سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے، اور مسلمان اپنی مذہبی نوعیت سے زیادہ فارسی کے الفاظ، اب عین وقت ہے کہ یہ خیالی امتیاز پھر وحدت مین ڈبو دیا جائے، اور ملک کی زبان عام تناسب کے مطابق ہندوستانی کے نام سے مشہور رہے، ان مباحث کے مختلف پہلوؤن پر اور ان کے تاریخی نتائج پر غور و تامل بمقابلہ کسی طویل لفظی بحث کے زیادہ مناسب اور نتیجہ خیز ہوگا،

(باقی)

خلفاے راشدین

سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چارون خلفاء کے ذاتی حالات، فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۵۰۰ صفحے، قیمت ؏ "منیجر"

لے تمہ زبان اردو صرف و نحو مذکورۂ بالا،

"Some Objections To The Modern Style of Official Hin-dustani" By. H. S. Groose. M. A. (Oxon.) B. Sc

ہیئت جدیدہ اور تصریحاتِ اسلامیہ

(۲)

از پروفیسر سید امیر علی لکھنؤ یونیورسٹی،

مترجمہ جناب اسرائیل احمد صاحب

اسلام کی روایات مین یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ کرۂ قمر کوئی ایک عنصر بسیط نہین ہے، یہ گیسون اور آب و آتش وغیرہ سے مرکب ہے، بالفاظ دیگر اس مین کم و بیش وہی عناصر ترکیبی پائے جاتے ہین جن سے زمین کی ساخت عمل مین آئی ہے جدید العہد اور نوساختہ آلۂ طیف آزما اسلام کی اس صدیون پرانی تعلیم کی پوری تصدیق کرتا ہے اس طرح اٹھارہ سے زیادہ فلزات ارضی اس وقت تک جرم قمر مین معلوم کئے جا چکے ہین، اور فضائے آسمانی کے اس کرہ مین مذکورہ اجزا کے موجود ہونے کے بارے مین ہم کو مطلق کوئی شک و شبہہ نہین ہے، مزید بران اگر ہم قوی دوربینون سے مشاہدہ کرین تو ہم کو اپنی زمین ہی کی طرح چاند کی سطح پر میدان، جھیلین، آتش فشان پہاڑون کے دہانے، وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزین نظر آتی ہین،

چاند اور اس کے "عرضی" یا "جوہری" نور کی بابت بھی بعض قدیم منجمین کی یہ رائے تھی کہ جلیل الشان جسم سماوی ذاتی روشنی نہین رکھتا، بلکہ اس کے رخِ روشن کی ساری آبتاب ضیاے شمس کی رہین منت ہے عہد حاضر کے ارباب ہیئت اس حقیقت کو زیادہ عمومی رنگ مین دیکھتے ہین اور کہتے ہین کہ قمر زمین کی طرح سیارون کے بھی جتنے متحرک اقمار ہین وہ بھی مثل زمین ہی کے کثیف و سیاہ فام ہین، وہ آفتابی نور اصلی سے محروم ہین اور ان کی شبانہ روشنی کا سرچشمہ سورج ہی ہے "ثوابت" مین سے ہر جرم منور بالذات ہے اور اپنے متعلقہ اقمار و توابع کے نور و حرارت کا خود ہی ذمہ دار ہے، مثلاً تمام نظام شمسی صرف ایک شمعِ آفتاب سے نورانی ہے، اور اس کے جملہ سیارات مع اپنے توابع یا سیارات ثانویہ کے اپنی روشنی اسی سے حاصل کرتے ہین، چونکہ اجرام فلکی شفاف جسم نہین رکھتے بلکہ تاریک و کثیف مادے سے بنے ہوئے ہین اس لئے آفتاب کی روشنی ان کے اندرونی حصون مین سرایت نہین کرتی، بلکہ ان کی بیرونی سطح سے مس ہو کر واپس منعکس ہو جاتی ہے

اور ہماری زمین پر چاندنی، "یا تارون کی چھاؤن"، کی صورت مین گرتی ہے، چاندنی دھوپ کے مقابلہ مین ...... ۴ درجہ خفیف النور ہے اس لئے کہ وہ سارا نور درخشان جو آفتاب سے چاند پر پڑتا ہے منتقل ہو کر ہم تک نہین آتا، بلکہ اس کا ایک معتد بہ حصہ تو خود جرم قمر ہی مین جذب ہو کر ضائع ہو جاتا ہے، اور جتنا جزو اس سے خارج ہوتا ہے وہ بھی ساری فضا مین منقسم و منتشر ہو جاتا ہے، اور اس طرح اس کا ایک قدر قلیل ہی جس کی مقدار اوپر بتائی گئی ہے، زمین کے حصہ مین آتا ہے، یہ بات کہ چاند کی روشنی کے ساتھ ہم نمایان طور پر کسی حرارت کو محسوس نہین کرتے اس حقیقت مسلمہ کی کوئی تردید نہین ہے، کہ ہماری چاندنی دھوپ ہی سے ماخوذ ہے، اس نقطۂ بحث پر مزید تشریح و تفصیل ایک ضخیم تر کتاب مین ملے گی جس کی ترتیب و تیاری مین مین مصروف ہون،

قرآن حکیم کہتا ہے کہ "جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا" (اس نے سورج کو "ضیا" اور چاند کو نور بخشا) یہ آیت روشن آفتاب و ماہتاب کی روشنیون مین صریح و صحیح طور پر فرق مراتب دکھاتی ہے، لیکن ابھی اس بارے مین ہم کو تھوڑی خلش باقی ہے یہ قطعی طور سے نہین معلوم ہوتا کہ چاند کی روشنی ذاتی ہے یا اکتسابی، بظاہر یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس "نور" کا مخرج خود چاند ہے، اور اگر ایسا ہے تو صحیفہ سائنس کے "اخبار" سے اس معنی کو تطبیق دینا مشکل ہو جائیگا، لیکن نہین، یہ خدشہ بے بنیاد ہے جب پوری سخن فہمی اور نکتہ سنجی سے کام لیا جاتا ہے، تو قرآن عظیم کی یہ تصریح جدید ترین انکشافات و نظریات فلکی کی تمام و کمال ہمنوا پائی جاتی ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے :-

جو لوگ جدید ہیئت کے مبادیات اور اس کی تاریخ کے اہم واقعات سے واقف ہین، ان کو یاد ہوگا کہ نامور فلکی ہرشیل نے اپنے اس نظریہ کا اعلان کیا تھا کہ تمام کثیف اجرام فلکی —— از آنجملہ چاند بھی —— اپنے اندر ایک قسم کی خفیف تنویر رکھتے ہین، اس خیال کی تصدیق و توثیق بہت سے محققین ہیئت کے مشاہدات سے ہوئی ہے، مثلاً انھون نے چاند کے "ایام غیبت" کے زمانے مین بعض اوقات افق مشرق پر اس کو دیکھا ہے، اور یہ تو عامۃ الناس کا تجربہ ہے کہ چاند کے خسوف کامل کے وقت بھی قرص ماہتاب سیاہی مائل سرخ رنگ کی صاف نمایان دکھائی دیتی ہے، ان ہر دو موقعون کا مشاہدہ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ چاند کے اندر خود اپنی بھی ایک ضعیف درجے کی روشنی موجود ہے، البتہ قبل ازین چاند کے "نور عرضی" کی بابت جس حقیقت کی بار بار تکرار ہوئی ہے، وہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے ساتھ علی حالہ قائم ہے، نور قمر کا وہ جمال و جلال جو ہر شب

مین ہم دیکھتے ہین وہ بلاشبہ تمام و کمال آفتاب ہی سے مقتبس ہے، لیکن ساتھ ہی یہ کہنا بھی مجوز ہوگا کہ اس کی ساری "متاع نور" ایک "متاع عاریت" ہے، وہ بالکل تیرہ منظر نہین ہے، اور آفتاب کی گدیہ گری کے بغیر بھی کچھ ذرات نور اپنے جیب و دامن مین رکھتا ہے،

اس کے علاوہ اس مسئلہ کی بحث کی تقریب سے اس آیۂ قرآنی پر بھی نظر ڈالئے کہ "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا" (اور اس نے چاند کو ان (سموات) کے اندر ایک روشنی بنایا) حضرت ابن عباسؓ جو صحابہ کرام کی جماعت مین "مفسر قرآن" کے لقب سے ممتاز ہین اس فقرے کی تفسیر کے سلسلہ مین فرماتے ہین، کہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو سموات کے اندر اس غرض سے پیدا کیا ہے کہ سموات فضا کے اندر اشاعت و ابلاغ نور کا وسیلہ ہین، اور زمین تک بھی اسی ذریعے سے روشنی آتی ہے، لیکن اجرام کے اندر بنفسہ چاند کی روشنی کا کوئی اثر نہین ہے، دیگر افلاک بلاشبہ سموات کے ہر حصہ مین اقمار موجود ہین جو اپنے اپنے "مخدوم" سیارات کے گردون کو منور کرتے ہین، لیکن اپنی ذاتی روشنی سے نہین بلکہ نور آفتاب کے انعکاس و انتقال سے، پس یہ کہنا کتنا صحیح اور کتنا بصیرۃ افروز ہے کہ "چاند زمین کو روشن کرتا ہے، لیکن اس خدمت مین کس کی اپنی روشنی کو کوئی دخل نہین ہے"، پس اسی طرح سموات اجرام فلکی کے لئے نشر نور کا واسطہ ہین، اس لئے کہ آفتاب یا کسی اور "ستارہ" کی روشنی انھین سے ہو کر گذرا کرتی ہے، یہ بعینہ وہی کیفیات و فرائض ہین جو ایتھر سے تعلق رکھتے ہین، اور کچھ شک نہین کہ قرآن حکیم کے "سموات" اور سائنس طبیعی کا "ایتھر" ایک ہی حقیقت کی دو تعبیرین ہین،

مین یہان صرف ایک مزید روایت کے ذکر سے اس بحث کو ختم کرتا ہون، حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے کہ آپ نے اپنے عہد کے مشہور فلکی حسن بن سہل سے سوال کیا کہ "تم نجوم کے متعلق کیا کیا جانتے ہو؟" حسن نے جواب دیا کہ "شاید اس فن کا کوئی مسئلہ ایسا نہین جس پر مجھکو عبور نہ حاصل ہو"، اس پر امام موصوف نے منجم مذکور کو اس استفسار سے تشویش و پیچ مین ڈالدیا کہ "اچھا فرمایئے کہ آفتاب کی روشنی چاند کی روشنی سے کتنی زیادہ ہے، اور اسی طرح بتایا جائے کہ مشتری اور قمر و زہرہ کے درمیان ان کی باہمی قوت تنویر کے کیا مراتب ہین؟" منجم اس اعتراف پر مجبور ہو گیا کہ "میرے مبلغ علم سے یہ باتین باہر ہین"، امام نے فرمایا کہ "تب تو آپ کو میرے ابتدائی سوال کے جواب مین یہ کہنا چاہئے تھا کہ مین اس فن سے قطعاً نابلد ہون"، واقعہ یہ ہے کہ حسن بن سہل سے قبل کوئی بھی فیلسوف یا فلکی اس امر کا اندازہ لگانے کے وسائل و معلومات نہین رکھتا تھا، کہ آفتاب اور سیارون کی ذاتی و کسبی روشنیون کے درمیان کیا نسبت ہے، یہی وجہ تھی کہ

بقول امام رضا کے ابن سہل اس مخصوص موضوع ہیئت سے کوئی مس نہ رکھتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ امام موصوف کے اس رسالہ کی اصلی قدر و قیمت کو وہی شخص کچھ سکتا ہے جو مغربی محققین ہیئت کی تازہ ترین تحقیقات و انکشافات سے واقفیت رکھتا ہو، جن مین انھون نے جدا جدا ایک ایک سیارے سے آفتاب کے ظاہری قد و قامت اور درجۂ نور کا پوری تفصیلات اور حیرت انگیز صحت کے ساتھ حساب لگایا ہے،

بطلیموس کی یہ قطعی رائے تھی کہ کائنات فلکی کے اندر "سبعہ سیارہ" سے زیادہ نہین، انکا تعین و تسمیہ بھی اس کے نزدیک دوسرا تھا یعنی آفتاب، ماہتاب، زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل،

دوسری طرف حکیم دیمو قریطس و حکیم آرشمیدس کا خیال تھا کہ سیارون کی تعداد غیر محدود ہے،

کوپرنیکس جو ہیئت جدید کا آدم اول ہے، وہ اپنے نظریئے مین اس قیاس کی طرف مائل ہوا کہ سیارون کا شمار چھ ہے، لیکن آفتاب، ماہتاب اس شمار سے خارج ہین،

بعد ازان جب ہرشیل کی نگاہ دوربین نے یورینس کو معلوم کیا تو سیارون کی تعداد کو سات کے ہندسے سے مقید کر دیا گیا،

بعض علمائے ہیئت مین کچھ دنون تک یہ خیال مقبول رہا کہ سیارے در اصل "گیارہ" ہین، ان اضافہ شدہ سیارون اور "سیارچون" کے نام انھون نے پیلاس، جونو، ویسٹا اور سیرس رکھے، یہ مریخ و مشتری کے مدارون کے درمیان گردش کنان نظر آئے،

اور اب تو ۷۰۰ سے زیادہ اجرام متحرکہ یا "سیارات صغیرہ" کی ترصید جدید العہد رصد گاہون کی "رسا" دوربینون نے کر لی ہے، ان "نجیمات" کے قد و قامت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ ان مین جو سب سے بڑا ہے، اس کا قطر تقریباً [illegible] میل ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کو مستقل سیارے کہنا نہین چاہئے، ان کی ماہیت تخلیق کی بابت یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ کسی ایک بڑے سیارے کے ٹکڑے ہین جو بظاہر کسی بعید زمانے مین کسی طبعی اثر سے پاش پاش ہو گیا ہے،

ایم لویریر جس کے سر سیارۂ نیپچون کے اکتشاف کا سہرا ہے، اس کا دعوی ہے کہ اس نے ایک اور سیارہ آفتاب اور عطارد کے درمیان گردش کرتے ہوئے مشاہدہ کیا، اس سیارے کا نام اس نے ولکن رکھا، پس اگر اس محقق کی اس تحقیق

کو بھی قابل اعتماد سمجھا جائے تو سیارات شمسیہ کی تعداد ۹ ہو جاتی ہے،

سائنس فلکی کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیائے سماوی کے شموس و سیارات کے انعدام سے ایک مادہ لطیف معرض ظہور مین آتا ہے، جس کو زبان ہیئت مین "گرد کونی" یا "خاک اثیری" کہتے ہین، یہ عمل کم و بیش ہمیشہ جاری رہتا ہے، ایک طرف نئے نئے سیارے "مخلوق" ہوتے رہتے ہین، اور دوسری طرف سابقہ و موجودہ اجرام کا انشقاق و تخریب ہوتی رہتی ہے، یہی کائنات ہستی کی رفتار ہے جو بالآخر ایک وقت ساحل فنا سے ہمکنار ہو جائیگی،

اب اگر ہم اسلامی روایات و اعلانات کی طرف رجوع کرین تو ہمکو معلوم ہوگا کہ اسلام نے بیانگ دہل روز ازل ہی سے سیارات کے متعلق، قدماء کے سامنے قیاسات و خیال آرائیون کی تغلیط کر دی تھی، آفتاب، ماہتاب کا شمار زمرۂ سیارات مین انھین دقیانوسی خرافات کی رو سے ہوتا تھا، مگر اسلام کی تعلیم کی بنا پر، اور اسلام کے مجتہدانہ "اقوال فیصل" اس وقت کی چیزین ہین جس کو صدیان گذر چکی ہین، اور جبکہ فلکیات جدیدہ کی معلومات و تحقیقات کسی کے خواب و خیال مین بھی نہ تھین،

"باب مدینۃ العلم" حضرت علیؓ نے ایک دفعہ اپنے عہد کے مشہور منجم ہر صفیل سے بطور امتحان کے یہ سوال پوچھا تھا "مجھے بتاؤ کہ سیارۂ زہرہ اور اس کے اقمار و ثوابت کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" ہر صفیل کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے کہ اس کا سارا مبلغ علم ہیئت یونانی کی واقفیت پر مشتمل تھا، اور محض اس چیز کے بل بوتے پر وہ حضرت علیؓ کے استفسار سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا تھا، اس لئے کہ اس مین افلاک و اجرام کا حقیقی نقشہ و مرقع طلب کیا گیا تھا،

مذکورۂ بالا روایت مین اقمار کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ "توابع" ہے، اس کا لفظی ترجمہ ہے "پیچھے چلنے والے" (سیارے) اور اس مین کیا شک ہے کہ سیارات کے اقمار کی موزون ترین تعبیر یہی ہو سکتی ہے، اسی طرح جو عربی لفظ "ثوابت" کے لئے اختیار کیا گیا ہے وہ "جوامع" ہے، جس کے لغوی معنی ہین "جمع کرنے والے"، سو یہ بھی اجرام ثابتہ کی ماہیت اور غایت کی صحیح ترین تمثیل ہے، اس لیے کہ ایک آفتاب یا ستارۂ ثابتہ ان تمام سیارات کو اپنی کشش ثقل کی غیر مرئی ڈوریون سے ہمرشتہ و وابستہ رکھتا ہے جو اس متعلقہ نظام کواکب و نجوم کے ارکان ہوتے ہین، تیرہ سو برس پہلے اسلام کی

فہرستِ مصطلحات کس درجہ صحیح معنی خیز اور بصیرت افروز تھی؟ بحار الانوار اور معانی الاخبار میں ایک اور روایت آتی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی نے قرآنی ترکیب "افق المبین" کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ "یہ ایک کرہ ہے جو عرش کے محاذ میں واقع ہوا ہے اور اس کے اندر دریا سے جاری ہیں" میں قبل ازیں اس بات کو دکھا چکا ہوں کہ لفظ "عرش" کی ایک تعبیر نظام شمسی کی خارجی و بیرونی حدود بھی ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان الفاظ میں روئے سخن سیارہ نیپچون کی طرف ہے، جو نظام شمسی کی سرحد پر واقع ہوا ہے اور "افق المبین" سے مراد نیپچون کا مدار ہے جس کا محیط سب سے بڑا ہے اور جس کے اندر سارے سیاراتِ مملکتِ آفتابی کے مدارات کی پہنائیاں آجاتی ہیں، اور چونکہ وہ نظام شمسی کے منتہائی حد پر واقع ہے، پس اپنی بطئی السیر گردش کی وجہ سے قدرۃً اس "عرش" کے بالمقابل رہتا ہے،

امام موصوف کی کم از کم ایک روایت اور ہے، جو اس بحث کی تقریب سے یہاں نقل کئے جانے کے قابل ہے (ملاحظہ ہو بحار، کافی اور وافی) آپ نے بطور آزمایش کے ایک شامی ہئیت دان سے پوچھا، "سکینہ کی روشنی زہرہ کی روشنی سے کتنی کم ہے؟" منجم نے مبہوت ہو کر کہا "بخدا میں نے اس سیارے کا نام تک بھی آج سے پہلے کبھی نہیں سنا"، "العظمت للہ"، امام نے فرمایا، "آپ نے سیاروں کی تعداد کو بقدر ایک کے کم ہی کر دیا، پس کیا ٹھکانا ہے؟ آپ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ اپنے نجومی حسابات میں ضروری صحت کو قائم رکھ سکیں گے"، یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ ایک ایسے مزید سیارے کا وجود ہے جو اس عہد کے علمائے فن کی جماعت میں کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا، لیکن جو اب معرضِ انکشاف میں آگیا ہے، اور جس کا نام یورینس ہے،

یہ بات کہ امام صاحب ممدوح کی مراد "سکینہ" کا نام اختیار کر کے یہاں بجز سیارۂ یورینس کے کسی اور ستارے وغیرہ سے نہیں ہو سکتی بصراحۂ ذیل دلائل سے ثابت ہے:-

(۱) یہاں "سکینہ" کا زہرہ اور اس کی روشنی سے مقابلہ کیا گیا ہے، یہ بات بجائے خود ایک اشارۂ صریح ہے، اس حقیقت کی طرف کہ "سکینہ" بھی ایک "سیارہ" ہے نہ کہ "ستارہ"، اس لئے کہ ایسے دو مختلف الماہیئت اجرام کا موازنہ ایک بے جوڑ بات ہوتی، پھر اس مغالطہ کی توقع بھی ہم کس سے کریں گے، حضرت امام جعفر صادقؑ سے؟ جن کا فضل و تبحر مسلم اور جن کی نادر و بے نظیر فلکی معلومات تمام شک و شبہ سے بالاتر ہیں، پس بہر حال وہ اس مبادیاتی حقیقت سے نابلد نہیں سمجھے جا سکتے کہ ایک

"سیارے" اور ایک "ستارے" کی روشنیوں کے مابین موازنہ کرنا ایک بے معنی اور بے محل بات ہے،

(۲) "احکام نجوم" یا "قضایائے نجوم" بیشتر سیاروں کے اثرات سے بحث کرتے ہیں، یعنی ان کا شرف و ہبوط، ان کا سعد و نحس، ان کا اقتران و تربیع وغیرہ وغیرہ، امام موصوف "سکینہ" کو بھی اسی زمرۂ سیارات میں داخل فرماتے ہیں، چنانچہ وہ اپنا استعجاب ظاہر کرتے ہیں کہ "تم کیونکر اس جرم کے اثرات کے استخراج میں صحیح رہ سکتے ہو، جب کہ تم اس کے وجود ہی سے لاعلم ہو؟"

(۳) روایت کے الفاظ سے معلوم ہوگا کہ امام نے منجم کی اس بے خبری پر حیرت اور ہیبت کا اظہار کیا ہے، کہ وہ "سکینہ" کی ہستی کے ذکر سے بھی گوش آشنا نہیں ہے، یہ روش اسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے کہ "سکینہ" کو ایک سیارہ تسلیم کیا جائے، کیونکہ جبھی اس کے ساتھ وہ "تاثیرات کواکب" وابستہ کی جائیں گی جن کا بحیثیت ایک معتقد نجوم کے نجومی کا مدنظر رکھنا ناگزیر تھا، اس لئے کہ "ثوابت" تو لاتعداد و بے شمار ہیں، اور علم تنجیم چنداں ان کے اثرات کا قائل نہیں،

خود لفظ "سکینہ" میں ایک لطیف کنایہ مضمر ہے، جس سے سراغ لگتا ہے، کہ وہ سیارہ ہی ہے اور تمام آثار و قرائن کو دیکھتے ہوئے، سیارۂ یورینس ہے، "سکینہ" عربی لغت "سکون" سے نکلا ہے، یورینس کے لئے یہ لقب کتنا چسپاں ہے، وہ نہایت سست سیارہ ہے، اور اسی رفتار سے آفتاب کے گرد اپنے دورے کو طے کیا کرتا ہے،

فلکیٔ اسلام حضرت امام جعفر صادقؑ کی زیر بحث گفتگو میں ایک اور خاص موزونیت اور معنویت ہے، وہ "سکینہ" اور زہرہ کا پہلو بہ پہلو ذکر فرماتے ہیں، اور ان کا یکجائی تذکرہ ایک ناظر کے لئے اپنے اندر کیسی دعوتِ تفکر رکھتا ہے، ان ہر دو سیاروں میں ایک نسبتِ تضاد ہے، زہرہ ایک نہایت درخشان (و سریع السیر) سیارہ ہے، بخلاف اس کے یورینس (سکینہ) ایک ضعیف النور اور کاہل رفتار جرم ہے، ہم آج ہرشیل اور لوریئر کو یورینس اور نیپچون کے انکشاف پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، لیکن یقیناً ان اجرام فلکی کا وجود صدیوں پہلے بے نقاب کیا جا چکا تھا، اور تفحص و استفسار کرنے پر ہم کو ان سب کے اسلامی اور قدیم باسمیٰ نام معلوم ہو سکتے ہیں،

فلاسفۂ متقدمین کا یہ خیال تھا کہ ہماری زمین کے علاوہ نہ کوئی اور زمین ہے اور نہ عناصر کے اس گہوارے کے سوا ان کا وجود کائنات کے اندر کہیں اور پایا جاتا ہے، نیز یہ کہ جبال و انہار اور وحوش و اشجار ہماری اسی مادر گیتی کے آغوش کی پیداوار

ہین، لیکن عہد حاضر کے محققین متفق اللفظ ہوکر اس حقیقت نفس الامری کے قائل ہین، کہ قبلۂ شمس کے طواف کرنے والے سیارے ہماری زمین کی طرح زمینین ہین جہان ہمارے ہی کرۂ ارض کی طرح "اختلافِ لیل ونہار" ہوا کرتا ہے، اور جہان سارے آثار ولوازمات ارضی، کوہ ودریا، نباتات ودرختان، اور غالباً حیوانات بھی موجود ہین، وہ تمام طبعی کیفیات مین ہماری زمین سے ملتے ہین اور بلا شبہ اس کے نام "زمین" کے ہمنام ہوسکتے ہین، جدید العہد علمائے ہیئت اس بارے مین بالکل متیقن ویکسو نہین ہین کہ سیارون کے اندر ذی روح مخلوق پائی جاتی ہے یا نہین، لیکن وہ جب اسی بات کو تحقیقی طور پر معلوم کرچکے ہین کہ ان مین پہاڑ، میدان، دخان (غاز) اور سحاب وغیرہ موجود ہین تو حیوانات کا وجود جس درجہ قرینِ قیاس اور اغلب ہوجاتا ہے وہ بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے،

قرآن مجید کی مشہور سورۂ یوسف مین حضرت یوسف ؑ کی زبان سے اپنے مشہور عالم تاریخی جواب کی تفصیلات کے بیان کے سلسلے مین یہ الفاظ ادا ہوئے ہین: اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (مین نے گیارہ سیارے اور چاند سورج دیکھے اور پھر مین نے دیکھا کہ وہ مجھکو سجدہ کرتے ہین) اس آیت کی تفسیر کے ذیل مین بعض علمائے یہود نے پیغمبر آخر الزمان صلعم سے استفسار کیا تھا کہ "یہ گیارہ سیارے کون کون سے ہین؟" آنحضرت صلعم نے بلا تامل ان گیارہون سیارون کے نام بتا دیئے، فلکیات اسلامی پر جو ضخیم تر کتاب مین نے تیار کی ہے، اس مین آیۂ مذکور کے ہیئتی پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، رسول عربی صلعم نے یہودیون کے جواب مین گیارہ سیارون کے جو نام بتائے ہین ان عربی اسماء کو وہان مین نے نقل کیا ہے، اور پھر ان کے لغوی معانی و اطلاقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ہر ایک نام نظام شمسی کے کسی سیارے پر دلالت کرتا ہے، اور رسول اللہ صلعم کی زبان حقیقت ترجمان پر سیارون کے جو "اسمائے نیّرہ" جاری ہوئے ہین وہ اپنے مسماؤن کی تعبیر و تعیین کے لئے بہتر بہدت کی مثال ہین، "مدینۃ العلم" کے "افق قلب" اور "آسمان دماغ" کے یہ مناظر دہشہ اور مظاہر عجیبہ واقعی قابل دید ہین،

قدیم منجمین ان اجرام فلکی کو جو دمدار ستارے یا شہاب ثاقب کہلاتے ہین نہ ثوابت مین شمار کرتے تھے اور نہ سیارون مین، بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ ایک قسم کے دخان یا بخارات وجود مین آتے ہین، ارسطو اور بطلیموس کا نظریہ یہ ہے کہ بعض دخانی ابخرات ہماری زمین سے صعود کرتے ہین اور بالائی فضا کی غیر معمولی بلندیون مین جا پہونچتے ہین، اور جب کبھی وہ سماوی قمر کے

کرۂ ناری مین داخل ہوجاتے ہین، تو مشتعل ہوکر وہ مظاہر سماوی پیدا کرتے ہین جن کو ہم وقتاً فوقتاً دیکھا کرتے ہین، ان حوادث کے بارے مین مختلف صورتین پیش آتی ہین، اگر یہ اشتعال پذیر مواد لطیف اور منتشر ذرات سے مرکب ہوتے ہین تو ان کی آتش زدگی کا منظر ہماری آنکھون کے لئے غیر مرئی رہتا ہے، لیکن اگر یہ شئے کثیف وغلیظ ہوئی تو گوناگون اشکال کے نمایان تماشے نظر آتے ہین، یعنی کبھی بیضوی یا اہلیلجی، کبھی مخروطی، کبھی عمودی، اور کبھی جھاڑو کی طرح ایک دم والی، اور کبھی دو دم کیساتھ، لیکن قدیم نجوم نے دمدار ستارون کے ظہور کی جو توجیہ کی ہے وہ اب بالکل ساقط الاعتبار ہے،

البتہ قدیم اہل ہیئت کے زمرے مین حکیم سینکا ہی ایک تنہا شخصیت ہے جو اس عام مسلک سے اختلاف رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ دمدار ستارے دیگر ثوابت وسیارات سے متغائر کوئی نوعیت نہین رکھتے،

فلاسفۂ جدید مین ٹائکو براہے پہلا فلکی ہے، جس نے اعلان کیا کہ دمدار ستارے بھی ایک قسم کے سیارے ہین، اس لئے کہ وہ بھی اپنے مدارات مین گردش کیا کرتے ہین، اگرچہ ان کے یہ سماوی طرایق دور ماہتاب کے حدود سے باہر واقع ہین،

ایک دوسرا نامور محقق ہیئت کیپلر، جو ٹائکو براہے کا شاگرد ہے کہتا ہے کہ دمدار سیارے مثل مچھلیون کے ہین جو خلائے مطلق کے بحر اعظم مین تیر رہے ہین، اور ہم کو اسی وقت نظر آیا کرتے ہین جبکہ وہ مدار ارض سے مس یا قریب ہونے لگتے ہین، یا اپنی قدو قامت کے اعتبار سے ایسے اوقات مین بھی کہ وہ اس سے بعید تر ہوتے ہین دکھائی دیجاتے ہین،

دمدار سیارون کی ماہیئت اور ان کی کیفیت ترکیب کے بارے مین دور حاضر کے فلکیین کی جماعت مین مختلف و متفاوت خیالات پائے جاتے ہین، ایک خیال یہ ہے کہ دمدار سیارے کچھ نہین ہین مگر آفتاب سے جدا ہوجانے والے شعلے ہین جو سرد ومنجمد ہوگئے ہین، ایک دوسرے قیاس کا منشا یہ ہے کہ جب سیارون اور سیارات صغیرہ کے باہم تصادم ہوکر تباہ ہو جاتے ہین تو جو گرد وغبار اس طرح پیدا ہوتی ہے وہ فضائے سماوی کی پہنائیون مین دور دور پھیل جاتی ہے اور عمل انجماد کو قبول کرکے اپنی معلوم شکل مین نظر آتی ہے، ایک تیسرا نظریہ یہ کہتا ہے، کہ دمدار ستارے ایک علیحدہ قسم کے مستقل بالذات اجرام ہین جو فضائے بسیط کے پورے طول وعرض مین سرگرم سیر وسفر ہین، لیکن اب ایک چوتھا خیال بھی ہے جس کا بیان ذکر کردینا بے محل نہ ہوگا، اگرچہ اس کی جو مضحک حقیقت ہے وہ بالکل عیان ہے، اس نظریے کا مفاد یہ ہے کہ دمدار ستارے سیارات رئیسہ کے وہ اقمار ہین

جو نیچون کے مدارت پرے واقع ہین لیکن میرے خیال مین یہ "دور کی کوڑی" "یک خرمہرہ نیر زد کی مصداق ہے، اب مین سب سے آخری قیاس کو پیش کرکے دمدار ستارون کے متعلق جملہ خیالات ونظریات کی موجودہ فہرست کو مکمل کئے دیتا ہون اور میرے خیال مین اہل سائنس کا یہ قیاس سب سے زیادہ قرین عقل معلوم ہوتا ہے، اس قیاس علمی کے ماتحت سیارون اور دمدار ستارون کے درمیان فعل وانفعال کے تعلقات تسلیم کئے گئے ہین، یعنی بڑے بڑے دمدار ستارے جب سیارات کے مدارات کے پاس سے ہوکر گذرتے ہین تو آخر الذکر کی حرکت مین ایک متناسب قسم کا انحراف پیدا کر دیتے ہین، لیکن جب وہ نسبتہً چھوٹی قامت وجسم کے واقع ہوتے ہین تو خود سیارات سے متاثر ہوتے ہین اور بعض اوقات تو اس درجہ تک کہ وہ بالکل ان کی گرفت مین آجاتے ہین اور ایک قمر یا اقمار کی حیثیت سے اسی کے ساتھ وابستۂ تعلق ہو جاتے ہین،

اچھا اب قرآن کی طرف آیئے، اللہ تعالیٰ سورۂ طارق مین فرماتا ہے:، وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ؟ (قسم ہے سمار کی اور قسم ہے طارق کی، اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہے طارق؟ وہ ایک روشن سیارہ ہے جو توڑتا ہے) یہ کون سا سیارہ ہے جس کا نام طارق ہے، باین معنی کہ وہ توڑتا ہے؟ نیز یہ کہ وہ قرآن کی مخاطب دنیا کو معلوم نہیں؟ اب سوال یہ ہے کہ طارق کی جو یہ علامت بتائی گئی ہے نہ "توڑتا ہے" تو وہ کون سی چیز ہے جس کو وہ توڑتا ہے اور اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے یہ کونسا جرم فلکی ہو سکتا ہے؟ قدما مفسرین نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ طارق سیارۂ زحل کی قرآنی تعبیر ہے لیکن یہ کئی وجوہ سے ناقابل قبول ہے، زحل کوئی گمنام یا مجہول الکیفیت سیارہ نہ تھا جیسا کہ آیت کے اندر صریح وجلی اشارہ کیا گیا ہے بلکہ وہ مع اپنی کل صفات کے اس عہد مین بھی بیشتر علمائے فن کے لئے ایک معلوم جرم آسمانی تھا، غالبًا خدائے علیم یہان کسی دمدار سیارے ہی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے، جس کا مدار نزول قرآن کے زمانے مین عمومًا غیر معلوم وناقابل تعیین تھا، خاص کر ایسے اوقات مین جبکہ وہ ایک غیر معمولی قسم کی حرکت اختیار کرتا ہے اور جبکہ اس کی گردش بے ضبط ونظم ہو جایا کرتی ہے، یہان ہم کو، دوسرے موقعون کی طرح لفظ "طارق" کے لغوی معنی سے بھی سراغ لینا چاہئے، طارق، طریق کا اسم فاعل ہے، جس کے معنی "راہ" کے ہین، پس "طارق" کے معنی ہوئے "راستہ بتانے والا" اور واقعہ یہ ہے کہ ایک دمدار سیارے کا حقیقی عمل ہوتا بھی ایسا ہی ہے، وہ جب ہمارے نظام شمسی کے اندر آتا ہے تو سیارہ نیچون کے مدار کو "توڑتا ہوا" اور اکثر اوقات اس قسم کے خدشات پیدا ہونے

لگے ہین، کہ کہین وہ ہماری زمین سے ٹکرا نہ لے! الغرض وہ ہمارے پڑوس سے گذر کر آگے بڑھتا ہے، اور ہر سیارے کے مدار کو قطع کرتا ہوا ہماری دنیائے شمسی کے حدود سے بخیر وعافیت نکل جاتا ہے، اور بعض حالات مین اس کی مراجعت کی کوئی صورت نہین ہوتی پس تمام آثار وقرائن کے اعتبار سے یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے، کہ قرآن حکیم نے "طارق النجم الثاقب" نام دمدار سیارے ہی کا رکھا ہے،

اب حضرت علیؑ کی ایک روایت سنئے، جو بیک وقت علل الشرائع، بحار الانوار، تفسیر البرہان انوار نعمانیہ وغیرہ کتب مین پائی جاتی ہے، حضرت امیر سے پوچھا گیا کہ، "طارق کے کیا معنی ہین؟" آپ نے جواب دیا، "طارق ایک جرم فلکی ہے جو بہت حسین رنگ رکھتا ہے لیکن عام طور پر لوگ کم اس سے آشنا ہین، اس کو طارق اس لئے کہتے ہین کہ اس کی روشنی (یعنی مع اپنے سرچشمے کے) سیارات کے مدارات کو کاٹتی ہوئی گذرتی ہے، اور پھر بار دگر انھین مدارات سیار کو ایک دفعہ اور قطع کرکے واپس ہو جاتی ہے، اور اس جگہ پہونچ جاتی ہے جو اس کا اولین نقطۂ آغاز تھا، حضرت علیؑ کی اس جامع ومانع تصریح کے بعد اب اس بارے مین کسی شک وشبہہ کی کیا گنجایش باقی رہتی ہے، کہ "طارق" واقعی دمدار سیارے کا دوسرا نام اور صحیح تر تسمیہ ہے،

اب مین قرآن حکیم کی ایک آیت کو اور پیش کرتا ہون اور اس پر مختصرًا بحث کرکے موجودہ مسئلے کو ختم کئے دیتا ہون، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، "فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس" (سورۂ تکویر) یعنی قسم ہے "خنس" کی جس کے گردو پیش "کنس" موجود ہین، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ "خنس" اور "کنس" کیا چیزین ہین، خنس جمع ہے "خانس" کی جس کے معنی ہین نظر سے چھپ جانے والا یا گائے کی طرح اڑنے والا، اسی طرح کنس بھی جو بصیغۂ جمع وارد ہوا ہے اس کا واحد "کانس" ہے اور اس کا لغوی مفہوم ہے "حیوانات ووحوش کا مسکن" ان لغاتی تصریحات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان الفاظ کے معانی تعیین وقطعیت سے بہت دور ہین اور تعبیر وتفسیر اور تاویل وتوجیہ کی کافی گنجائش پائی جاتی ہے، چنانچہ مفسرین ومتکلمین سے مختلف اور بکثرت آرا، "خنس" اور "کنس" کے اہم الفاظ کی تشریح کے متعلق منقول ہین، بعض نے خالص لفظی معنی پر اکتفا کیا ہے اور بعض نے بہ پیرایہ استعارہ سیارات کو ان کا محمل قرار دیا ہے، لیکن کسی نے بھی اتنی بالغ نظری کا ثبوت نہین دیا، کہ ان کا

صحیح مورد اطلاق معلوم کر لیتا، یہ فلکیات کے متعلق ان کی ناقص و ناکافی معلومات ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اس فہم سے قاصر رہے، ورنہ قرآنی آیہ جنیہ کے اندر صریح اشارات موجود تھے، "خنس" "کنس" سے از خود خیال دمدار سیاروں کی طرف منتقل ہو سکتا تھا، پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ نہایت لطیف مادے سے بنے ہیں، اور گویا ان کے منتشر ذرات کی نوعیت "دھنی ہوئی روئی" کی سی ہے، جو امتداد وقت سے منجمد ہو جاتے ہیں اور ان کی سطح بیرونی پر ایک قسم کا قشر بنجاتا ہے، باقی رہا ان کا غائب از نظر ہو جانا، تو معلوم ہے کہ اکثر ایک دمدار سیارہ ایک دفعہ نمودار ہو کر ہمیشہ کے لئے خلائے مطلق میں گم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس قسم کے اجرام دوری یا بیضی مدار نہیں رکھتے، بلکہ بخط مستقیم دیگر سیارات کی شاہراہوں کو پامال کرتے ہوئے نکلجاتے ہیں، اور ان کی بازگشت کی عموماً کم صورتیں ہوا کرتی ہیں، ان کو "کنس" اس بنا پر کہا گیا ہے کہ وہ صحرائی حیوانات کی طرح کوئی مقررہ جائے قرار نہیں رکھتے، یہی کیفیت دمدار سیاروں کی ہے کہ وہ "شتر بے مہار" کی طرح فضائے بسیط میں ادھر ادھر آوارہ پھرا کرتے ہیں، اور اسی آوارہ گردی کے سلسلے میں کبھی کبھی کسی نظام کو کبھی کے حلقہ کشش میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اور اس وقت ان کی عنان گسستہ کشتی کو ایک "لنگر" ملجاتا ہے، یعنی وہ شہاب ثاقب سے بدل کر ایک باضابطہ سیارہ یا سیارچہ یا قمر بنجاتے ہیں، دمدار سیاروں کے بھی عجیب طریق ہیں، اور عجیب تر طریق خدائے حکیم و علیم کے ہیں،

اسلامی کتب روایات میں ستاروں کی تعداد و شمار کے متعلق ایک عظیم الشان، اور حیرت انگیز اختلاف آراء پایا جاتا ہے، روایات اس بارے میں ایک دو تو ہیں نہیں، لیکن کسی ایک روایت کی بتائی ہوئی تعداد ستارگان دوسری روایت کی پیش کردہ تعداد سے اتفاق نہیں کرتی، مثلاً شیعہ کتابوں میں سے بعض میں اس تعداد کو چودہ ۱۴ کے ہندسے سے مقید کیا گیا ہے، لیکن یہی ہندسہ ان بعض دوسری کتابوں میں چالیس ۴۰ نظر آتی ہے، پھر اختلاف کا دائرہ اتنا ہی محدود نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس کے حدود [illegible] ہیں، اور وہ کسی تعیین و تحدید کو قبول کرتا معلوم نہیں ہوتا، روایات کا مذکورہ شمار "عوالم" کہیں چودہ ۱۴ ہے اور کہیں چودہ لاکھ اور پھر کہیں علم حساب و اعداد کی وسیع فرمان روائی سے قطعی انکار، یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ان منتہاؤں کے مابین ہر عدد اس کا مظہر ہو سکتا ہے، یہ مبہوت کن اختلاف بجائے بدگمان کرنے کے ہم کو دعوت نقد و نظر دیتا ہے، غالباً بات یہ ہے کہ ان گوناگون روایات میں ستاروں کے حالات بیان کرتے ہوئے مختلف نقاط نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے، بس درحقیقت وہ آپس میں

متعارض ہیں اور نہ ان کے درمیان مقابلہ کرنے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے، وہ مستقل بالذات ہیں، جدا جدا چیزوں کو بیان کرتے ہیں، اور لامحالہ ان کے اعداد و شمار الگ الگ ہیں، مثلاً ایسا ہے کہ روایات کے ایک حصے میں اجرام کی تعداد کو پیش نظر رکھا گیا ہے، دوسرے میں ان کے مواقع کو، تیسرے میں ان کی اقسام کو، اور کہیں ان کی میزان کل کو، نیز یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ بعض موقعوں پر "بے شمار" کا لفظ "غیر معمولی کثرت" کا مترادف بن کر استعمال ہوا ہے، ظاہر ہے کہ رواۃ ان معنوی امتیازات کی رعایت اپنے الفاظ میں نہیں رکھ سکتے تھے،

قدیم فلاسفہ اور [illegible] علماء صرف ہماری اسی ارضی دنیا کے وجود سے واقف تھے اور اس کے ماوراء وہ کسی اور عالم کی ہستی کے قائل نہ تھے، لیکن اسلامی ہیئت بار بار اور غیر مبالغہ آمیز زبان میں بکثرت دوسرے عوالم کا ذکر کرتی ہے، میں اس سلسلے میں چند روایات بیان کروں گا، اور پھر اس بحث کا تکملہ قرآن کی دو ایک آیات سے کرونگا،

(۱) ایک روایت منتخب البصائر، خصال، بحار، اور انوار نعمانیہ وغیرہ کتب میں آتی ہے جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، "اللہ العظیم نے بارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں جن میں سے ہر ایک ہفت سموات و ارض سے بڑا ہے، ہر عالم کے ساکنین دوسرے عالم کے باشندوں سے بالکل لاعلم ہیں" لاعلم ہیں کے الفاظ اس امر پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ ان سب مخلوقات میں قوت ادراک و شعور پایا جاتا ہے،

(۲) ایک دوسری روایت کا مضمون یہ ہے کہ "ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام نے فرمایا کہ میں تیرے سامنے ایک شخص کا ذکر کرتا ہوں جو اتنے قلیل عرصے میں جو تجھکو میرے پاس آنے میں لگا ہے اپنے قدم کو چودہ عوالم کی وسعت تک پہونچا چکا ہے اور یہ قطع منازل اس طرح ہوا ہے کہ اس شخص نے اپنی جگہ سے ایک قدم جنبش نہیں کی ہے، مخاطب نے جو خود بھی ایک منجم تھا اس پر سوال کیا کہ "یا حضرت! یہ کون شخص ہے؟" آپ نے فرمایا "یہ خاکسار" (بحار، اختصاص، بصائر الدرجات وغیرہ) اس روایت میں جن عوالم کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو "ہماری دنیاؤں سے تین تین گنا زیادہ بڑا" کہا گیا ہے، ہماری دنیاؤں سے مراد غالباً نظام شمسی کے آباد سیارے ہیں، اس "آسمان پیما" اور "فلک رس" علم و فضل کا کچھ ٹھکانا ہے،

(۳) ابولیث سمرقندی کی کتاب اور نیز بحار الانوار مین ایک حدیث آئی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ "آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے ہیجدہ ہزار عالم تخلیق فرمائے ہین جنمین سے ہماری دنیا صرف ایک ہے"

(۴) ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقرؑ نے جابرؓ سے فرمایا:۔ "شاید تو خیال کرتا ہے کہ خدا نے صرف یہی ایک دنیا پیدا کی ہے اور اس کے سوا کوئی نہین، نیز یہ کہ خدا کی مخلوقات جو ہم ہی انسانون پر ختم ہوگئی ہے، قسم ہے اس ذات جلیل کی کہ اس نے ایک لاکھ ایسی دنیائین پیدا کی ہین اور ایک لاکھ آدم، اور ہمارا آدم سب کا خاتم ہے" یہ روایت بحار مین دیکھی جا سکتی ہے اور اس کی اہمیت اور معنویت قابلِ غور ہے، "ایک لاکھ عالم اور ایک لاکھ آدم" کی تعبیر لینے مین کوئی مغالطہ نہ ہونا چاہئے، "ایک لاکھ" کے الفاظ کسی عدد کے اظہار کے لئے استعمال نہین ہوئے ہین، بلکہ مجازاً ان سے غیر معمولی کثرت "یا بے شماری" مراد ہے، پھر یہ فقرہ کہ "ہمارا آدم سب سے اخیر آدم ہے" اہم ترین اشارات کا ایک جہانِ معنی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے، "سب سے اخیر آدم" کی تفسیر بڑی عجیب ہو سکتی ہے، یعنی "اخیر" کس نقطۂ نظر سے؟ آیا باعتبار ترتیب زمانی، یا بلحاظ تقویم جسمانی یا بخیال احوال مکانی، کیا ان احتمالات مین ہم کو ڈارون کے نظریۂ "البقائے اصلح" کی صدائے بازگشت تیرہ سو برس قبل سنائی نہین دیتی،

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تفسیر قمی بحار الانوار اور مجمع البحرین کی یہ روایت منسوب ہے کہ:۔ "ستارے یا سیارے، جن کو تم آسمان مین دیکھتے ہو وہ سارے کے سارے اسی طرح شہرون کے مسکن ہین جس طرح کہ خود ہماری زمین، ان مین سے ہر شہر ایک عمودِ نور سے وابستہ ہے، اور اس عمود کا طول فضاء سماوی مین ڈیڑھ سو سال کی راہ ہے" اس روایت سے بھی یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہے کہ رات مین جو چراغان ہم کو آسمان کے اندر نظر آتا ہے وہان آباد دنیاؤن کے بلاد و امصار بسے ہوئے ہین، "عمود نور" سے صریحاً وہ روشنی مراد ہے جو ان کے مرکز آفتابی سے ان پر پڑا کرتی ہے "عمود نور سے وابستہ ہے" کی زیادہ باطنی تعبیر یہ ہو سکتی ہے کہ یہ آباد سیارے کششِ ثقل کی غیر مرئی طنابون (جنکو باعتبار لطافت کے شعاعی نور سے تشبیہ دے سکتے ہین) سے اپنے نظامی شموس سے ہم رشتہ ہین،

اب مین اپنے تبصرے کو ختم کرتا ہون اور قارئین با تمکین سے معافی خواہ ہون کہ مین نے بعض طول طویل مباحث مین پڑ کر ان کا بہت سا وقت لیا، مگر اب سرچشمۂ بحرِ معرفت و سعادت کی ایک "موجِ معنی" کا مظاہرہ اور رہ گیا ہے، میرا

روئے سخن قرآن حکیم کے دو اقتباسات کی طرف ہے جن کو یہان پیش کرکے مین اس مضمون کا خاتمہ بالخیر کرتا ہون:۔

(۱) سورۂ فرقان مین اللہ فرماتا ہے:۔ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا (پاک ہے وہ ذات جس نے آسمان مین بروج بنائے) بروج جمع ہے برج کی جس کے لغوی معنی مین مکان یا کسی بلند محل کے، بروج کا لفظ یقیناً نزولِ قرآن اور بعثتِ رسولِ عربی کے بعد نظام شمسی کے "منطقۃ البروج" کے لئے استعمال ہوا ہے، لیکن قرآن پاک، احادیث نبویؐ، اور روایات ائمہ کے بکثرت صریح و صحیح الفاظ و بیانات مین تحریف معنوی کی گئی، یونانی فلسفہ ہمارے مفسرین و متکلمین کے دماغون پر اس درجہ مسلط تھا کہ ان کی اُفتِ ذہنیت بالکل "ہر چہ آید در نظر از دور پندارم توئی" کی مصداق ہوگئی تھی، صاف صاف باتون سے بھی ارادۃً اعراض کیا جاتا تھا اور محض سینہ زوری سے آیات بینات و روایات طیبات پر ایسے معانی عائد کئے جاتے تھے جو تمام لغوی و لسانی تصریحات، عبارتون کے سیاق و سباق، اور جملہ تفسیری قرائن و رعایت کے منافی ہوتے تھے، محض اس وجہ سے کہ بخیال خویش حقیقت و معرفت کے دو یکسان حیثیت ماخذ الوہی و انسانی یعنی وحی اور فلسفہ بالفاظ دیگر علوم منقول و معقول کے درمیان راہِ تطبیق پیدا کر لی جائے،

(۲) سورۂ شوریٰ مین یہ آیت آئی ہے:۔ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ (اور اسی کی نشانیون مین سے ہے سموات اور ارض کی پیدائش اور نیز ان دونون کے اندر چلنے والی مخلوق کی تخلیق) مقالۂ ہذا کی ابتدائی بحثون مین ہی دکھایا جا چکا ہے کہ "سماء" عربی کا وہ لفظ ہے جس کا اطلاق ہر بلندی یا فضائے بالائی کی ہر سطح پر ہوتا ہے، نیز یہ کہ ہر کرہ یا جرم کے فرش کو "ارض" کہتے ہین، پس جب اس روشنی مین دیکھا جاتا ہے، تو میرے خیال مین (بہ تتبع بعض نامور و صاحب بصیرۃ علمائے شیعہ) یہ آیۂ قرآنی جملہ سیارات اور اجرام فلکی کے اندر حیوانات یا ذی روح مخلوق کے وجود کا نہایت صراحت و اہمیت کے ساتھ ذکر کرتی ہے، یہ ہے "فلکیات آسمانی کا ایک منظر،"

۱؎ یعنی "الہامی"

تلخیص و تبصرہ

مونس الاحرار

مارچ ۲۸ء کے معارف مین رباعیات عمر خیام کے سلسلہ مین اس کتاب کا ضمناً ذکر آیا تھا، اب مشہور ایرانی محقق مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے جو سلسلۂ گب کی بعض کتابون کے اڈیٹر کی حیثیت سے فارسی ادبیات کی دنیا مین وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین، لندن کے کلیۃ السنۂ مشرقیہ کے مجلہ مین اس کتاب کو دیکھ کر ایک مضمون شائع کیا ہے، یہ کتاب متعدد حیثیت سے اہم ہے، اور اس لئے اس کے متعلق جو کچھ بھی معلومات حاصل ہو سکین بہتر ہے،

آج سے ایکسال قبل نیویارک کے ایک تاجر نوادر مسٹر ایچ، کیور کین نے مجھے فارسی شعراء کا ایک تذکرہ دیکھنے کیلئے دیا، اس بیش بہا تذکرہ کا نام مونس الاحرار فی دقائق الاشعار ہے، اور کتاب کے پہلے ورق پر جن شعراء کے نام ہین، ان کے ہر قسم کے کلام کا انتخاب اس مین موجود ہے،

اس تذکرہ کا مصنف محمد بن بدر جاجرمی ہے مصنف کا باپ بدر الدین جاجرمی ساتوین صدی ہجری کا ایک اچھا شاعر اور صاحب دیوان شمس الدین جوینی (مصنف تاریخ جہان کشا عطا ملک جوینی کا بھائی) کے مقربین مین تھا، اور فارسی شعراء کے تذکرون مین اس کا حال ملتا ہے۔

ہمارا مصنف ابتدائے ۸وین صدی ہجری کا ایک شاعر، اور تاریخ گزیدہ کے مصنف حمد اللہ مستوفی کا ہمعصر اور اس نے مونس الاحرار سنہ ۷۴۱ھ مین لکھی، مصنف نے اپنے کلام کا جو انتخاب اس کتاب مین دیا ہے اسے دیکھنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اول کیا دوسرے درجہ کا بھی شاعر نہ تھا، لیکن اس نے ایسے شعراء کا کلام جمع کر کے جنکا حال تو کجا نام تک معلوم نہ تھا،

ایک اہم ترین خدمت انجام دی ہے، اور اس نقطۂ خیال سے یہ تصنیف بہت قیمتی ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ہی جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نسخہ خود مصنف کا لکھا ہوا نسخہ ہے تو اس کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے، یہ خوبصورت خط نسخ مین ہے، رمضان سنہ ۷۴۱ھ مین مکمل ہوا چنانچہ ذیل کی رباعی جو نسخہ کے خاتمہ پر ہے اس کو ظاہر کرتی ہے:-

در ہفصد و چل بود و یک اندر رمضان ۔۔۔ مہر اندر حوت و ماہ اندر سرطان

بر دست محمد بن بدر شاعر ۔۔۔ مجموعہ تمام شد بفضل یزدان

مختلف باتون سے پتہ چلتا ہے کہ ایران مین اس کے مالکون نے اس کی یہانتک حفاظت کی ہے کہ وہ لوگون کو دیکھنے کو بھی نہین ملا، حتی کہ مجمع الفصحاء کے علاوہ کسی دوسرے مصنف نے اس کا تذکرہ تک نہین کیا ہے، اور شاید مصنف مجمع الفصحاء ہدایت نے اسی نسخہ کو دیکھا ہے، ذاتی اور عام کتب خانون کی تلاش کے بعد بھی اس کتاب کے کسی دوسرے نسخہ کا پتہ نہ چل سکا، اور جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ طہران مین آقا حاجی حسین آقا بن ملک التجار مرحوم کے پاس مونس الاحرار کا ایک نسخہ ہے، لیکن چونکہ نہ تو وہ نسخہ ابھی تک دیکھا جا سکا ہے اور نہ اس کے مفصل حالات ہی معلوم ہین، اس لیے یقین کے ساتھ یہ نہین کہا جا سکتا کہ ان دونون مین قدیم تر اور کامل تر کونسا ہے، اس لیے اب نفس اس نسخہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے،

مونس الاحرار کا یہ نسخہ مسٹر ایچ، کور کین کی ملکیت ہے، اس مین ۲۶۰ اوراق (۵۲۰ صفحات) ہین، یہ نہایت ہی خوبصورت نسخ مین لکھا ہے، لیکن کہین کہین قدامت کے اختلافات موجود ہین، مثلاً فارسی پ، چ، ژ اور گ اور عربی ب، ج، ز اور ک مین کوئی فرق نہین رکھا گیا ہے، دوسرے فارسی ذ پر اکثر نقطے ہین، اور تیسرے "ک" کی جگہ "ی" ہے، عنوانات عموماً سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہین،

اس نسخہ کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایسا قدیم ترین نسخہ ہے، جسمین عمر خیام کی رباعیات درج ہین کہ یہ سنہ ۷۴۱ھ کا لکھا ہوا ہے، اس مین عمر خیام کی ۱۳ رباعیان ہین اور مین نے ان کو نقل کر کے ڈاکٹر ایف روزن کے پاس بھیجا تھا، اور انھون نے سنہ ۱۳۰۷ھ (۹) مین ان کو برلن مین شائع بھی کیا تھا اس کے بعد سنہ ۱۹۲۷ء مین سر ای ڈینیسن راس نے اپنے کلیہ کے مجلہ مین ان کو انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا،

فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مونس الاحرار فارسی شاعری کے مختلف اقسام پر تیس باب پر مشتمل ہے، لیکن بد قسمتی سے
تقریباً سات ابواب نہیں ہیں، چونکہ نسخہ میں اوراق غیر مرتب طریقہ سے لگے ہوئے ہیں، اور اس بات کی فرصت نہ مل سکی کہ
اس کا غائر مطالعہ کیا جاسکے، اس لیے یہ بات تیقن کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ کون کون سے باب نہیں ہیں، ان مفقود ابواب
میں ۲۰ واں باب بھی ہے، جس میں شاہنامہ کا انتخاب درج کیا گیا تھا،

اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے دیباچہ کو نقل کیا ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے،

"سپاس و ستائش بے نہایت بادشاہے راکی صفتے از صفت (صفات؟) کمالش جو دست ......"

کتاب کے ابواب یہ ہیں:-

(۱) حمد وحدت باری تعالیٰ (۲) نعت رسول مقبول صلعم (۳) عقل و مشورہ (۴) بیان (۵) بلاغت (۶) اقسام
(۷) سوال و جواب (۸) تجنیس و تکرار (۹) مسمطات (۱۰) ملزومات (۱۱) متوازی و محذوف شعر لکھنا (۱۲) مربع نما شعر لکھنا،
(۱۳) اقسام شعر (۱۴) تشبیہ (۱۵) مقفی (۱۶) مروف (۱۷) اشعار ترجیعات (۱۸) مرثیہ (۱۹) تاریخ (۲۰) انتخاب شاہنامہ
(۲۱) چشم و ابرو وغیرہ (۲۲) قطعات (۲۳) ہجا (۲۴) شکایات، (۲۵) معما (۲۶) مطائبات (۲۷) غزل (۲۸) رباعیات
اور یہ باب ۳ حصوں میں منقسم ہے، (۲۹) رنگین شاعری، (۳۰) "قطعات" اس نسخہ میں مندرجہ ذیل شعراء و اکابر کے حالات ہیں

استاد رودکی، دقیقی، بہرام، عنصری، زینبی، (زینتی؟) منشوری، منطقی، غضائری، بشار مرغزی (مرغزی؟) بدیہی،
بالث گرگانی، ناصر جیفری، عجہری، برہانی، قادری، مسعود سعد، رافعی، جعفری، بندار رازی، ناصر خسرو، سنائی غزنوی، امیر معزی
قوام گنجی، خاقانی شیروانی، رشید وطواط، استاد عجہری، فلکی شیروانی، مختاری غزنوی، سوزنی سمرقندی، سراج قمری، لامعی
جرجانی، استاد منوچہری، حکیم انوری، نظامی گنجوی، عبد الواسع، مجیر بیلقانی، اثیر اخسیکتی، ادیب صابر، سیف اعرج، استاد قطران
اثیر امانی، بدیع سیفی، سید حسن غزنوی، استاد خاوری، نصیر ادیب، عجل سمرقندی، فردوسی، طوسی، ابو المعالی رازی، جمال
اشہری، عمعق البخاری، حکیم ولولی (؟) شماکی دہستانی، حکیم طرازی، عمید لوکی (یا لوبکی) ادیب طبری، عزیز دمشقی (؟) شہاب الدین
مہرا، حسن المتکلم، ازرقی ہروی، ظہیر فاریابی، نجیب جربادقانی، رفیع لنبانی، شمس طبسی، رکن دعویدار قمی، سجزی، عبد الرزاق

استاد عمادی، مجد الدین ہمگر، امامی ہروی، فضل اللہ قزوینی، بدر الدین جاجرمی، سعدی شیرازی، قمری اصفہانی، عطار نیشاپوری،
عراقی، فرید احول، محاسن شیرازی، اوحد مراغی (؟)، جوہری زرگر، سید ذو الفقار، فخر الدین کیدانی (؟)، بنت کعب، علی فخر
شوشتری، شمس الدین شرف شاہی، ابن بہا جامی، مولانا نجمی، نجم الدین سمنانی، بہاء الدین زنجانی، قاضی عثمان، شرف الدین
تبریزی، سعید ہروی، بہاء خجندی، ہمام تبریزی، ناصر بجا (بجاء؟)، پور حسن، شہید بلخی، معروفی، استاد منجمی، راشدی، حکیم
ناصری، فخر جرجانی، ابن خطیب قوشنگ (؟) فضل اللہ شغروا، جلال عتیقی، شمس الدین کاشی، خواجہ نصیر طوسی، خواجہ افضل
قاضی نظام الدین، شمس صاحب دیوان، شمس الدین کرت، سعد الدین وزیر، غیاث الدین امیر محمد، علاء الدین ہندو، سید
عضد یزدی، صدر الدین ابہری، عز الدین قزوینی، عماد ہروفی، مولانا خضر یزدی، سعد بہا، خرم شاہ کرمانی، بدیع کرمانی
محمود منور، حکیم منیری، اوحدی اصفہانی، نزاری قہستانی، ابن حسام، بہاء الدین یزدی، ابن نصرتی، نجم الدین رازی، سعد
خلیفہ، شاہ کبود جامہ، نجم الدین زرکوب، جمال کاشی، خواجو کرمانی، مولانا روم، ابن زنگی (زنگی؟) ابن یمین، حکیم مطلبی،
امیر حسن ترکمیر (؟) سعد نطنزی، بدر الدین دامغانی، کمال زنجانی، حسن نیشاپوری، کمال ابرقوہی، رشید قاضی، یحییٰ
فیروز آبادی، نور بسطامی، حدادی، عماد کرمانی، سلطان شاہ تیمور، جمال بے بصر، شمس سمرقندی، افتخار دامغانی، شمس او
تر دوز (؟) تاج زکی، عمر خیام، بہشتی دبیر، شرف الدین مکی، حکیم مصری، خلیل شیرازی، حکیم زیزی (؟) ابن عطار،
حکیم کرجی (؟) احمد تجاری، عائشہ مقریہ، رکن ابہری، یحییٰ دذان (؟)، عمار یوسف لور، عثمان ماکی، مجد الدین ترمذی
صابری، رکنی، ظہیر نیشاپوری، سیف ہروی، بدیعی طوسی، کمال ہروی، حسن کاشی، کمال زیاد، جلال جعفری، جمال
زنجانی، مجد کاشی، حکیم خازن، موفق قمی، سیف ہروی (دوبارہ)، سعید نیشاپوری، خسرو شاہ کرمانی، تاج کرمانی، صدر نظامی
عباد دامغانی، فتح بلخی (؟) جلال اسکندر، ناصر عین الملک، عمدہ تبریزی (یا عدہ) حمید کازرونی، عمر نفضلوئی، جلال الدین
شاہ، نور الدین عبد الرحمن، خود مصنف ابن بدر جاجرمی، کمال الدین اسماعیل،

اور اس طرح دو سو آدمیوں کے ترجمے اس نسخہ میں موجود ہیں،

"ن"

ایک عجیب تصنیف

جامعہ الہ آباد کے استادِ تاریخ ہند ڈاکٹر شفاعت احمد خانصاحب نے "جان مارشل ہندوستان مین" کے نام سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس ملازم کا روزنامچہ حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے، رسالہ انڈین انٹیکیوری نے اس پر ایک نہایت دلچسپ تنقید شائع کی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد مین نہ صرف ہمارے بعض اردو مصنفین بلکہ بڑے بڑے مغربی ڈاکٹر بھی کس طرح دوسرون کی محنت کو اپنا کر پیش کرتے ہین، رسالہ مذکور لکھتا ہے:-

"متعدد حیثیت سے یہ کتاب ممتاز ہے، دیباچہ مین جو واقعات لکھے گئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگ نے اس کتاب کی ترتیب مین سب سے کم محنت کی ہے، انھی کا نام سرورق پر مرتب کی حیثیت سے موجود ہے، اس کے ساتھ ہی انڈین رکارڈ کمیشن کی روئداد جلد ۹ (لکھنو دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء) مین ۲۰ صفحات کا ایک مضمون درج ہے، جس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ ڈاکٹر شفاعت احمد خان کا ہے، لیکن حقیقتہً وہ اس کتاب کے تمہیدی اوراق ہین، اب دیباچہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمہید کے لکھنے اور واقعات کو مخصوص عنوانون کے ماتحت درج کرنے مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان کا حصہ بہت ہی کم ہے، اور اگر ہم دوسرے اعترافون کو بھی دیکھین تو ہم کو نظر آئے گا کہ حواشی بھی سب نہین تو اکثر ضرور دوسرون ہی کے لکھے ہوئے ہین، مثلاً باب ۳ کے تمام حواشی سر رچرڈ ٹمپل، اور ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا کے رشحاتِ قلم کے ممنونِ احسان ہین، اور ہندوستانی فلکیات کا پورا حصہ مسٹر جی آر، کئی کا مرتب کیا ہوا ہے، ان حالات کے بعد ہم محو حیرت ہین کہ اب وہ کونسی چیز رہگئی ہے، جسے فاضل ڈاکٹر کو مرتب و محشی کرنا پڑا ہے؟ ڈاکٹر شفاعت احمد خان کو اس کے ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہے کہ یہ کتاب سترہوین صدی کے متعلق ہمارے خیالات مین ایک انقلاب پیدا کردیگی، معیارِ کتاب کا یہ تخیل بہت بلند ہے، بلکہ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس کتاب کے متعلق ہم یہ تجویز پیش کرین کہ اس سے موجودہ ہندوستان کے مصنفین کے متعلق ہمارے خیالات مین انقلاب پیدا ہوگا، تو یہ زیادہ صحیح ہوگی،

اب نفس کتاب کی اہمیت کے متعلق فاضل تنقید نگار کے خیالات سنیے،

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی ایام مین جان مارشل کی شخصیت کوئی اہمیت نہین رکھتی، بلکہ وہ کیمبرج مین گریجوٹ ہونے کے بعد ۲۰ سال کی عمر مین ہندوستان گیا، اور وہان جاکر آثریات کے مطالعہ مین مصروف ہوگیا، پروفیسر ای، بی، کوول نے سنہ ۱۸۷۲ء ہی مین لکھا تھا کہ "اگر اس کے تحقیقی نتائج سنہ ۱۶۸۰ء مین شائع ہوگئے ہوتے تو وہ ان معلومات کے لحاظ سے جو سنہ ۱۸۰۰ء سے قبل تک یورپ کو ہندوستان کے متعلق حاصل ہوئے تھے، مفید و قابلِ قدر اضافہ ہوتے" جو مسودات اب شائع کئے جا رہے ہین وہ برطانوی متحفہ مین ہین، اور سر رچرڈ نے بڑی حد تک اور ڈاکٹر سی، آر، ولسن نے ان سے کم ان سے کام لیا ہے، ہر مین ذخیرہ کتب مین بھگوت پوران کے معمولی ترجمہ کا بھی ایک نسخہ ہے، یہ ترجمہ فارسی سے کیا گیا ہے، اور مارشل کے پاس اس کی موت کے وقت جو بالاسور مین ۱۲ اگست سنہ ۱۶۷۷ء کو ہوئی، تھا نیز عربی فارسی کی بہت سی کتابین اور چینی کی ایک تاریخ بھی تھی، یہ تاریخ اب غائب ہے،

روزنامچہ اس کتاب کا پہلا حصہ ہے، مارشل لکھتا ہے کہ ۶ جنوری سنہ ۱۶۶۸ء کو اس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ "مجھے سفر کا بہت شوق ہے" سفر کے حالات مفصل درج ہین، وہ ۵ جولائی سنہ ۱۶۶۹ء کو بالاسور پہنچا، اور فروری مین ہگلی کیلئے روانہ ہوگیا، اپریل سنہ ۱۶۷۰ء مین ہم اس کو پٹنہ مین پاتے ہین، اور وہان سے وہ ستمبر مین واپس ہوا، اس کے بعد ۶ اکتوبر کو وہ بالاسور آیا، جنوری سنہ ۱۶۷۱ء مین وہ پھر ہگلی مین تھا، اور اس کے بعد مئی سنہ ۱۶۷۱ء سے مارچ سنہ ۱۶۷۲ء تک پٹنہ مین رہا، اس کے بعد چار سال تک قاسم بازار مین حاکم دوم اور پھر دسمبر سنہ ۱۶۷۶ء مین بالاسور کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا،

باب ۴ مین مئی سنہ ۱۶۷۱ء مین پٹنہ مین جو قحط ہوا تھا، اس کا حال درج ہے اور اس کے بعد ہندو مذہب، فلسفہ، ہیئت، تاریخ، طب، افسانہ اور رسم و رواج کے متعلق معلومات درج ہین، باب ۱۲ مین اسلامی قانون اور رسوم اور پارسیون کے متعلق سرسری حوالہ ہے، آخری باب مین مختلف حالات و واقعات ہین،

ہر باب کے آخر مین جو حواشی دیئے گئے ہین، وہ معلومات سے پر ہین، کہ ان کی تدوین مین متعدد موسوم وغیر موسوم اساتذہ اور مستند اصحاب نے حصہ لیا ہے،

"ن،"

ایرانی کتب خانون کے چند علمی نوادر

الیف، کرنکو نے مدرسۃ السنۃ مشرقیہ لندن کے رسالہ مین ایرانی کتب خانون کی بعض ایسی قلمی کتابون کی فہرست شائع کی ہے، جو علوم سے متعلق ہے، ہم ان کتابون کو ناظرین معارف کی آگاہی کے لیے درج ذیل کرتے ہین،

طہران

(۱) رسالہ فی الاسطرلاب مصنفہ ابوریحان البیرونی (نامکمل نسخہ)

(۲) رسالہ فی تربیع الدائرہ 〃 ابن الہثیم المصری،

(۳) کتاب المطالع ترجمہ قسطا بن لوقا،

اس کتاب کی نظرثانی الکندی نے کی ہے، اور نصیر الدین الطوسی نے اسے مرتب کیا ہے، اصل مین ہپسکلس (HYPSIKLES) کی تصنیف ہے،

زنجان

(۴) اصلاح کتاب منالاؤس فی الاشکال الکریہ مصنفہ یحیی بن محمد بن ابی شکر القرطبی، اس کے ساتھ ہی اسی مصنف کا ایک ضمیمہ بھی ہے، اس کے متعلق لکھا ہے ھذہ مقالۃ الحقہا ابن شکر ذکر فیہا ما یتفرع عن الشکل القطاع من النسب المؤلفہ علی سبیل الایجاز والاختصار، یہ نسخہ بہت قدیم ہے اور اس مین یاضی کے اشکال سرخ روشنائی سے بنے ہوئے ہین،

(۵) تحریر اقلیدس کا فارسی ترجمہ از محمود بن مسعود بن مصلح الشیرازی شارح حکمۃ الاشراق اس کا آخری صفحہ غائب ہے،

(۶) رسائل الحسن بن الحسن بن الہثیم:-

(الف) قول ابن الہثیم فی الضوء،

(ب) 〃 〃 فی اضوء الکواکب،

(ج) رسالہ ابن الہیثم فی تربیع الدائرہ،

(د) رسالہ فی مساحۃ الاشکال المسطحہ (فارسی)

(۷) شرح السمرقندی علی رسالۃ معرفۃ الاسطرلاب مصنفہ الطوسی،

(۸) شرح تذکرۃ الطوسی، مصنفہ الشریف الجرجانی.

(۹) المقالہ المفروضہ من زیج الشجری مصنفہ الخازنی،

(۱۰) رسالہ فی انعکاس الشعاعات وانعطافہا مصنفہ نصیر الدین الطوسی،

(۱۱) رسالہ فی اثرین القوس والہالہ وتحریر مقالہ ابن الہثیم فی ذالک مصنفہ کمال الدین الحسن الفارسی

(۱۲) رسالہ فی معرفۃ الشکل القطاع وبراہینہ، مصنف کا نام معلوم نہین، مگر وہ دیباچہ مین بتاتا ہے کہ اس نے یہ کتاب فارسی مین لکھی تھی اور احباب کی درخواست پر اب عربی مین ترجمہ کرتا ہے، اس مین مندرجہ ذیل پانچ مقالے ہین

(الف) مقالہ تشتمل علی النسب المختلفہ واحکامہا،

(ب) فی الشکل القطاع السطحی والنسب الواقع فیہا

(ج) مقدمۃ القطاع الکوری وفیما لایتم الشکل الابہا،

(د) فی القطاع الکوری فی النسب الواقع فیہا،

(ہ) فی اصول تنوب عن الشکل القطاع فی معرفۃ قسی الدوائر العظام.

کتب خانہ سید ابو عبداللہ الزنجانی.

(۱۳) رسالہ فی الآراء الطبیعیہ التی یقول بہا الحکماء مصنفہ فلوطرخس الیونانی، منقول از نسخہ مکتوب ۵۷۷ھ

(۱۴) رسالہ ارسطاطالس فی عالم والمخلوقات المشہور برسالۃ الذہبیہ،

(۱۵) رسالہ فی الکلی وحرکتہ مصنفہ الاسکندر الافرودیسی، (ب)

اخبار علمیہ

قدیم ترین قرآن کا عکس

یہ اس قرآن مجید کا عکس ہو جو سینٹ پٹرسبرگ (موجودہ لینن گراڈ) کے کتب خانہ عامہ مین تھا، اسے ترکستان کے روسین گورنر جنرل کاف مین نے سنہ ۱۸۶۹ء مین سمرقند مین حاصل کیا تھا، مشہور ہے کہ اس نسخہ کو خواجہ احرار؟ کا ایک مرید ایشیائے کوچک سے بطور تحفہ لایا تھا، لیکن ایک دوسری روایت یہ ہے تیمور اسے ترکستان لایا، کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رض کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، سنہ ۱۸۹۱ء مین اس کی شاہی مجلس آثار قدیمہ کے رسالہ مین اے، ایف شیبونائن نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور اس کا خیال ہے کہ یہ نسخہ دوسری صدی ہجری کے اندر کا لکھا ہوا ہے،

سنہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد روسی مسلمانون نے اس قرآن مجید کا مطالبہ کیا اور یہ ان کو واپس دیدیا گیا، یہ نسخہ ترکستان لیجایا جارہا تھا کہ راستہ مین غائب ہوگیا اور اب کسی کو بھی اس کا علم نہین کہ وہ کہان ہے،

سنہ ۱۹۰۴ء مین مجلس آثار قدیمہ نے اس کا نہایت ہی حسین ورنگین عکس لیا تھا، اس مین ۳۵۳ اوراق ہین، اس کے صرف ۵۰ نسخے چھاپے گئے ہین اور ان مین سے صرف ۲۵ فروخت کے لیے ہین، ہر نسخہ کی قیمت ایک سو پونڈ ہے،

(م)

گلستان کا قدیم ترین نسخہ

اس وقت گلستان کا وہ نسخہ جسے قدیم ترین کہا جاسکتا ہے بازار مین بکنے کے لیے آیا ہوا ہے، اس کا کاتب مشہور خطاط یاقوت المستعصمی ہے، یہ نسخہ سنہ ۶۶۲ھ ۱۲۶۴ء کا لکھا ہوا ہے، گلستان سنہ ۶۵۶ھ کی تصنیف ہے، اس نسخہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ آخری خلیفہ بغداد المستعصم باللہ کے لیے لکھا گیا ہے، حالانکہ غریب خلیفہ اس نسخہ کی کتابت سے دس سال پہلے اس دنیا سے جاچکا تھا، یہ ہمارے مغربی مستشرقین کی تحقیقات کی ادنی مثال ہے،

(م)

دنیا کی آیندہ آبادی

اگر دنیا کی انسانی آبادی مین ہر سال فیصدی ایک آدمی کا بھی اضافہ ہوتا رہے تو پھر آبادی کی رفتار کا یہ حال ہوگا

سنہ	تعداد	سنہ	تعداد
سنہ ۱۹۲۰ء	۱۹۵۰۰۰۰۰۰۰	سنہ ۱۹۸۰ء	۳۲۷۱۰۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۳۰ء	۱۹۸۹۰۰۰۰۰۰	سنہ ۱۹۹۰ء	۳۶۱۴۰۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۴۰ء	۲۱۹۷۰۰۰۰۰۰	سنہ ۲۰۰۰ء	۳۹۹۲۰۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۵۰ء	۲۴۲۷۰۰۰۰۰۰	سنہ ۲۰۵۰ء	۶۵۶۵۰۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۶۰ء	۲۶۸۱۰۰۰۰۰۰	سنہ ۲۱۰۰ء	۱۰۷۹۷۰۰۰۰۰۰
سنہ ۱۹۷۰ء	۲۹۶۲۰۰۰۰۰۰		

(س)

عہد قدیم اور امراض جدید

اس وقت تک عام لوگون ہی کا نہین بلکہ بعض اطبار کا بھی یہی خیال تھا کہ اس عہد جدید مین بعض ایسی بیماریان پیدا ہوگئی ہین، جنکا قرون ماضی مین کوئی وجود نہ تھا، لیکن حال ہی مین مصر کے عہد فرعونی کے مقبرون سے جو متعدد عمر کے لوگون کی نعشین نکلی ہین اور اس کا عکس ریز کے ذریعہ جو طبی معائنہ ہوا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ امراض جن کو "جدید" کی سند دیجاتی ہے، اس وقت بھی موجود تھے اور وراثت آدم کی طرح وہ ہم تک پہنچے ہین،

(س)

ایک جدید آلۂ تلغرافی

مسٹر ایم اے، انوس نے تار کے ذریعہ خبرون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کے لیے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جو ایک منٹ مین ایک ہزار الفاظ بھیج سکیگا، ان کا دعوی ہے کہ یہ آلہ اس قدر خود کار (AUTOMATIC) ہے کہ ایک معمولی تجربہ کا آدمی بھی اس سے آسانی سے کام لے سکتا ہے،

(س)

تحقیق ابویت اور اطباء

بعض اوقات مقدمات کے سلسلہ مین یہ مسئلہ زیر بحث آجاتا ہے کہ آیا فلان شخص، فلان آدمی کا لڑکا ہے، یا نہیں اور فی عرصہ سے اس کی تحقیق کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کرنے میں مصروف ہین، لیکن اس وقت تک وہ جو کچھ کر سکے ہین، وہ یہ کہ وہ ایک شخص کے خون کا دوسرے شخص کے خون پر جو اثر ہوتا ہے اس کے ذریعہ صرف اتنا پتہ چلانے کے قابل ہوگئے ہین کہ وہ کہہ سکتے ہین کہ فلان شخص فلان آدمی کا بیٹا نہین ہے، لیکن اس بات کا کہ فلان شخص فلان کا بیٹا ہے ان کے پاس کوئی ثبوت نہین ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۶ء مین تقریبًا ۰۰ ۲ بچون پر اس کا تجربہ کیا گیا اور صرف ایک بچہ کے متعلق یہ کہا جا سکا کہ فلان شخص اس کا باپ ہے یا نہین، اور اسی تحقیقات کے بعد جرمنی اور آسٹریا کی اکثر عدالتین اس طبی تحقیق کو بھی اہم ترین شہادت سمجھتی ہین۔

(رسا)

انگلستان مین شرح پیدائش

انگلستان مین سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد سے شرح پیدائش مین جو مسلسل کمی ہونا شروع ہوگئی تھی، وہ اہل برطانیہ کے لیے بہت تشویشناک تھی، لیکن اس سال اس مین کچھ اضافہ ہوا ہے، لیکن پھر بھی اضافہ ایام جنگ کی انتہائی کم شرح سے بھی کم ہے اور آج سے ۴۰ سال قبل کے اعداد کا تو بالکل نصف ہے۔

سنہ	شرح	سنہ	شرح
سنہ ۱۹۱۳ء	۲۴٫۱	سنہ ۱۹۲۳ء	۱۹٫۷
سنہ ۱۹۱۴ء	۲۳٫۸	سنہ ۱۹۲۴ء	۱۸٫۲
سنہ ۱۹۱۸ء	۱۷٫۷	سنہ ۱۹۲۵ء	۱۸٫۳
سنہ ۱۹۲۰ء	۲۵٫۵	سنہ ۱۹۲۶ء	۱۷٫۸
سنہ ۱۹۲۱ء	۲۲٫۴	سنہ ۱۹۲۷ء	۱۶٫۷
سنہ ۱۹۲۲ء	۲۰٫۴	سنہ ۱۹۲۸ء پہلی سہ ماہی	۱۶٫۴
		سنہ ۱۹۲۸ء دوسری سہ ماہی	۱۷٫۵

ایک نیا لباس

اس وقت تک موٹر سائیکل اور موٹر کے چلانے والون کو جو صدمات پہنچتے تھے ان سے بچنے کی کوئی صورت نہین نکالی گئی تھی، لیکن اب ایک اس قسم کا لباس ایجاد کیا گیا ہے کہ اس کے پہننے کے بعد انسان حتی الامکان ہر قسم کے حادثات سے محفوظ رہ سکیگا، اور موٹر الٹ بھی جائے تو سوار کو کوئی جسمانی صدمہ نہ پہنچیگا، چنانچہ حال ہی مین انگلستان مین تیز رفتاری کا جو مقابلہ ہوا تھا اس مین لیس بر کرنے یہی لباس پہنا تھا،

(رسا)

دنیا کی سب سے بڑی عکس ریزی مشین

کیلیفورنیہ کے مدرسۂ مصنوعات کے دو استاد سی، سی لارستان اور آر ڈی، ہنٹ نے دس لاکھ والٹ قوت کا عکس ریزی آلہ بنایا ہے، یہ دنیا مین اپنی قسم کا سب سے بڑا آلہ ہے، اور اس مین شعاعین اس قدر تیزی سے نفوذ کرتی ہین کہ دو انچ موٹے سیسہ کے پار کی چیزین بھی نظر آتی ہین، اس آلہ سے ذرات کے تجزیہ اور ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا کام لیا جائے گا،

(رسا)

فضائی بجلی اور ہوائی جہاز

زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ میکسیکن ہوا باز کپتان کرنزا اور اس کے رفقا یک بیک انجن کی خرابی کے بغیر مر گئے اسی وقت سے لوگون مین یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ وہ فضائی بجلی کے صدمہ سے ہلاک ہوئے ہین، چنانچہ اس نادیدہ مصیبت اور ناگہانی آفت سے بچنے کی صورتون پر غور کرنے کے لیے ایک جماعت نے کام شروع کیا ہے اور اس وقت متعدد برقیاتی انجنیر ایک ایسے پہاڑی علاقہ مین جہان بجلی کے حادثات بکثرت ہوتے رہے ہین، مصروف تحقیق ہین، اور اہل علم نہایت بے چینی سے ان کے نتائج کا انتظار کر رہے ہین،

"ن"

ادبیات

فرتاب خیال

از

شمس العلماء لسان الحکمۃ مولانا عبد الرحمن صاحب شاطر (مدراس)

مولانا عبد الرحمان شاطر، مدراس کے ایک مایۂ ناز فلسفی شاعر ہین، ارکاٹ کے شاہی خاندان کی یادگار ہین، انکے نانا نواب منور جنگ بہادر مہاجر مدینہ منورہ مشہور عالم و محدث تھے حضرت شاطر کے والد بھی فاضل و شاعر تھے، وہ خود بھی فاضل و شاعر ہین، فارسی و عربی کے علاوہ انگریزی مین بھی کامل دستگاہ رکھتے ہین، مدراس یونیورسٹی کے رکن، اور عدالت عالیہ کے مشرقی مترجم ہین، ان کے ذوق کی خاص چیز فلسفہ ہے، جدید و قدیم صوفیانہ اور ہندوانہ کلامی اور فلسفیانہ ہر ایک فلسفہ سے ان کو پوری واقفیت ہے، مذاہب و ادیان کے فلسفیانہ فروق سے بھی اچھی طرح آگاہ ہین، اور ساتھ ہی اردو اور فارسی کے شاعر بھی ہین، اور شاعری کے ہر رمز سے آشنا بھی ہین، ہماری گذشتہ علمی بزم جس کے صدر نشین مولانا حالی اور مولانا شبلی تھے، وہ بھی اس کے عزیز ارکان مین تھے اور حیدر آباد کے جمگھٹون مین وہ بھی نمایان تھے،

ان کی چھوٹی بڑی متعدد نظمین شایع ہو چکی ہین مگر ان کی سب سے شہکار تصنیف اعجاز عشق ہے جسمین ایک طویل قصیدہ مین مذہب و فلسفہ کے تمام رموز و دقایق شاعرانہ پیرائے مین ظاہر کئے ہین، اس پر اس عہد کے مشہور اکابر مولانا حالی، مولانا شبلی، ہمر اکبر حسین، حکیم ضامن علی جلال، سید علی محمد شاد، مولانا نذیر احمد، نواب عماد الملک مولانا ذکاء اللہ، پروفیسر شہباز، مولوی عزیز مرزا، مولانا شرر، اور حکیم نور الدین صاحب وغیرہ نہایت مداحانہ

تقریظین اور تبصرے لکھے تھے،

پچھلے سفر مدراس مین مین نے ان سے خواہش کی تھی کہ وہ کبھی کبھی معارف کو بھی بہرہ اندوز کیا کرین، اسی سلسلہ مین انھون نے جو یہ نظم بھیجی، اس کو آئے ہوئے گو چند مہینے ہو چکے، مگر ان کے اس صحیفۂ شعری کے آخر مین جو "حروف مقطعات" اور آیات متشابہات ہین، ان کی تاویل مین مجھ سے ان سے مراسلتون کا مبادلہ ہو رہا تھا، بہرحال ممدوح کا یہ فیصلہ ہے کہ اس وقت تک جو اردو شاعری پیدا ہوئی اس کے پانچ شعبے ہین (۱) عاشقانہ شاعری (۲) فلسفیانہ شاعری، (۳) واقعہ نگاری و منظر کشی (۴) قومی، (۵) تخیلی، مولانا شاطر نے اپنی اس نظم مین ان مین سے ہر شعبہ کے دو دو باکمال شاعرون کے نام منتخب کئے ہین، مگر چونکہ اس انتخاب مین باہم مجاحثون کے اختلاف و مخالفت کا ڈر ہے، اور اخفاء کے وجوہ ہین، جن کی بنا پر انھون نے آیات محکمات کے بجائے آیات متشابہات اور حروف مقطعات مین ان نامون کو ادا کیا ہے، تاکہ یہ حقایق صرف سینہ بہ سینہ منتقل ہون، تاہم بڑی بڑی "دعوۃ الاسماء" کے بعد یہ راز اس طرح منکشف ہوا ہے،

عاشقانہ شاعری،	میر اور درد،
فلسفیانہ شاعری،	اکبر اور شاطر،
واقعہ نگاری اور منظر کشی،	انیس اور شوق قدوائی (لحاظ مثنوی حسن عالم خیال و نیرنگ جمال، بہار، برسات وغیرہ)
قومی شاعری	حالی، اور اقبال،
تخیلی شاعری،	غالب اور محسن کاکوروی،

یہ وہ لوگ ہین جن کی شاعری مخصوص سرمایہ کی مالک ہے، اور جن سے ہر ایک اپنی نوعیت کا فرد فرید ہے،

اس مین شک نہین کہ ان عنوانات مین اور بھی عنوان بڑھائے جا سکتے ہین، مثلاً اخلاقی شاعری اور سیاسی شاعری وغیرہ جن مین سے پہلے کے لئے حالی اور مولانا اسمٰعیل میرٹھی کا نام اور آخر کے لئے شبلی کا نام لیا

جاسکتا ہے، بہرحال یہ تخیل ہے جس پر ذیل کی نظم کی بنیاد ہے، لیکن خیالات کے ساتھ الفاظ مین اگر مولانا نظم روح القدس کی ہمزبانی چھوڑ کر اپنے ابنائے جنس سے ہم کلام ہوتے تو عرشیون کی طرح خاکیون کو بھی ان کی نظم کے سمجھنے مین آسانی ہوتی اسی لیے ہم نے لغات اور حروف مقطعات کا حل نیچے لکھدیا ہے، لیکن شاعر نے جس "بحر" سے یہ موتی نکالے ہین، اس کی "شناوری" ہم سے ممکن نہین؛

"معارف"

ناظم ہین سیکڑون ہزار دن نقال
یہ سنگ ہین، وہ عقیق یہ بجادہ لال (کم قیمت پتھر)

ہر عصر مین ہر شہر مین شاعر کا ہے کال
یہ کیون نہ ہو جب دہر مین ہے قحط رجال

شاعر ہے جو ہو شعور سے مالا مال
جس سے روح القدس کے ظاہر ہون کمال

محسوس ہو جس کو نبض فطرت کی چال
آئینہ ہو حال ماضی و استقبال

ابداع معانی مین ہے شاعر کو کمال
شاگرد بدیع کا ہے وہ فرخ فال (اللہ تعالیٰ)

شاعر کا دم، بہار فردوس جمال
شاعر کا قلم نشتر قیفال خیال (ایک رگ کا نام)

شاعر کی زبان موجۂ آب لآل (موتی)
شاعر کا بیان حکمت و سحر حلال

احساس اور ادراک دونون مین بہت نوال (بخشش)
شاعر ہے نگلیسائے دم موبد احوال

نفع حکما، وعدہ بہ پیغام خیال
فیض شعرا، بوسہ بہ ہنگام وصال

کیا خوب کہی طبیعت شاعر کی مثال
یہ کوہ نور ہے وہ انجن کا زغال (کوئلہ)

سلطان کو ظاہری حکومت کچھ سال
شاعر کو علی الدوام تسخیر رجال

شاعر کو کیمیا کے فن مین ہے کمال
شاعر کی سیمیا ہے حیرت تمثال

زور پر جبریل ہے شاعر کا خیال
اک آن اس کی تہ نور کے لاکھون سال

شاعر کے قلم مین فتنۂ حشر کی چال
شاعر کا نفس دم مسیحا کا ہمال (مثل)

رومی کی سنو سے پوچھ شاعر کا حال (مولانا رومی)
شاعر کا قال خون منصور سے لال

دل مین عشق اور زبان پر استدلال
ابن الباش کے ہے جامہ مین بلال

شاعر کی نظر مین ہیچ ہین مال و منال
دنیا نظر آتی ہے اسے وہم و خیال

اللہ رے شان ہمت و استقلال
ہوتا نہین وہ تیغ کے آگے بھی ہلال

خودداری شرک سوز ہے اس کا کمال
کیا ظلم ہے، اس کو کبر سمجھین جہال

بخل و طمع و رشک نہین اس کے خصال
کملی اس کی ہے اطلس چرخ کی شال

شاعر کا شعار ہے خلوص اعمال
شاعر کا وقار ہے اگر صدق مقال

الیاس و خضر کا ہے شاعر ہمسال
فیض جاری کو اس کے کیا خوف زوال

شاعر کی نگاہ ہے زلیخا کا خیال
شاعر کا قلب ذروۂ طور جلال (چوٹی)

تسخیر دل و دماغ شاعر کا کمال
ہے جدت و ذوق و نفع سے مالامال

کرتی ہے اس کو حکمت حق ارسال
لاتا ہے نیا پیام عقل فعال

اردو شاعر ہین دس بفضل فعال
ہین جن مین پانچ فائز عرش کمال

افعل[1] فاعل فیعل فاعل افعال
باقی ہین میم، شین، خا، میم اور دال

ہندوستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات

ازمنہ وسطے مین

از علامہ عبداللہ یوسف علی ایم اے، ال ال ایم، سی، بی، ای،

قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ

ملنے کا پتہ:- جنرل سکریٹری، ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد،

[1] اکبر، شاطر، انیس، غالب، اقبال، میر، شوق، حالی، محسن، درد،

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

فہرستِ کتب خانۂ پٹنہ کی چودہوین جلد

مرتبہ خان بہادر مولوی عبد المقتدر خانصاحب صفحہ ۱۸۲ مجلد قیمتہ ۔ سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پریس گلزار باغ پٹنہ ،

خدابخش خان مرحوم کے مشرقی کتب خانہ پٹنہ اور اس کے لائق فارسی فہرست نگار مولوی عبد المقتدر خانصاحب کا معارف مین اتنی مرتبہ تذکرہ ہوچکا ہے کہ اس کی تکرار تحصیل حاصل ہے، زیر تنقید ۱۴ وین جلدان فارسی قلمی نسخون کے متعلق ہے جو مذہبی علوم سے متعلق ہین، ان مین تفسیر، حدیث کے تراجم، فقہ، اصول فقہ، فرائض وغیرہ کی کتابون کا حال درج ہے، اس جلد مین ۲۲۴ نسخون کا ذکر ہے، اور اس طرح فارسی قلمی نسخون کی تعداد ۱۲۴۳ تک پہنچتی ہے، ابتدا مین مسٹر جے اے چیپ مین لائبریرین امپیریل لائبریری کا تین صفحون کا دیباچہ ہے، اس نسخہ مین مندرجۂ ذیل نسخے قابلِ ذکر ہین :-

(۱۱۱۱) **انیس المریدین**، یہ کتاب در اصل ابو نصر احمد بن احمد بن نصر البخاری کی تصنیف تاج القصص کا ایک حصہ یعنی سورۂ یوسف کی تفسیر ہے، یہ ۱۰۰۱ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس کا سنِ تصنیف ۴۷۵ھ / ۱۰۸۲ء ہے،

(۱۱۱۲-۱۳) **تفسیر زاہدی**، یہ ابو نصر احمد بن حسن بن احمد سلیمانی کی کمیاب مشہور تفسیر ہے، یہ تفسیر ۵۱۹ھ / ۱۱۲۶ء مین تصنیف ہوئی تھی، جلد اول ۱۱۲۵ھ اور جلد دوم ۱۱۲۳ھ کی لکھی ہوئی ہے،

(۱۱۱۴-۱۶) **روح الجنان**، یہ جمال الدین ابو الفتوح حسین بن علی بن محمد الخزاعی کی تفسیر ہے، یہ تفسیر بھی ضخیم اور نادر ہے، اس کے تین مختلف ٹکڑے اس کتب خانہ مین موجود ہین، اس کا سنِ کتابت ۱۰۴۳ھ ہے،

(۱۱۲۴) **جواہر التفسیر**، ملا حسین واعظ کاشفی نے میر علی شیر کی فرمائش سے اس نام سے ایک ضخیم و مفصل تفسیر لکھنی

شروع کی تھی، لیکن پہلی جلد لکھنے کے بعد ہی اس نے اسے ترک کرکے ایک مختصر مگر جامع تفسیر مواہب علیہ لکھی چنانچہ وہ پہلی جلد اور موخر الذکر کتاب (۱۱۳۶) کا ایک صحیح و تاریخی نسخہ بھی اس کتب خانہ مین موجود ہے، اس کے علاوہ مواہب علیہ کا ایک اور نسخہ (۱۱۲۷) بھی ہے اور اس پر عہدِ اورنگ زیب کے متعدد امرا کی مہرین ہین،

(۱۱۷۵) **ترجمۃ الجریدہ**، یہ ابو القاسم شاطبی کے مشہور قصیدہ متعلق قرأت قرآن کی شرح ہے، اور شارح کا نام ابن الحاج ابراہیم بن محمد قزوینی نے یہ شرح سلطان ابو سعید کے وزیر غیاث محمد بن رشید کیلئے لکھی تھی، موجودہ نسخہ سولہوین صدی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

(۱۱۷۶) **حل متشابہ مخرج**، محمد بن یوسف الحافظ الاصفہانی نے اس کتاب مین ان تمام وقوف کی فہرست دی ہے، جو قرآن مجید مین ہین، یہ کتاب ۸۸۲ھ / ۱۴۷۷ء کی تصنیف ہے،

(۱۱۷۷) **قواعد القرآن**، قرأت کلام مجید کے متعلق دوسرا رسالہ ہے، اس کا مصنف یار محمد بن خداداد سمرقندی ہے، مصنف نے اس کتاب کو ماوراء النہر کے حکمران ابو الغازی عبید اللہ بہادر خان کے نام سے معنون کیا ہے، کتب خانہ مین اس کے دو نسخے ہین،

(۱۱۸۶) **شرح سفر السعادت**، یہ ہندوستان کے مشہور صوفی مورخ محدث مولانا عبد الحق دہلوی کی شرح ہے، سفر السعادت یا صراط المستقیم مجد الدین فیروز آبادی کی تصنیف ہے، یہ شرح ۱۸۸۵ء مین لکھنؤ مین چھپ بھی گئی ہے، اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ شاید وہ خود شاہ صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

(۱۱۸۹) **ترجمۂ اربعین**، یہ مولانا جامی کا ترجمہ اور نہایت ہی خوشخط لکھا ہوا ہے، اصل حدیثین سنہری نسخ مین اور ترجمہ خوبصورت نستعلیق مین ہے، کاتب کا نام محمد حریف ہے،

(۱۱۹۰) **روضۃ الواعظین**، صاحب معارج النبوۃ کی جمع کردہ چہل حدیث کا مجموعہ ان کے تراجم اور ان کی تشریح ہے، یہ نسخہ خود مصنف کے نسخہ سے منقول ہے، افسوس کہ وہ مکمل نہین،

(۱۲۲۳) **صلوٰۃ مسعودی**، مسعود بن محمود بن یوسف السمرقندی کی یہ کتاب ہندوستان مین اچھی طرح

روشناس ہے کہ دو مرتبہ اس ملک مین بمبئی اور لاہور سے شائع ہو چکی ہے، یہ صرف دفتر دوم ہے اور ۱۰۹۱ھ کا لکھا ہوا، دوسرے ہی دفتر کا ایک اور نسخہ ۱۰۸۶ھ کا لکھا ہوا بھی اس کتب خانہ مین ہے،

(۱۲۲۵) **فوائد فیروز شاہی**، اس فہرست کی تمام کتابون مین یہ نسخہ متعدد حیثیتون سے خاص اہمیت اور امتیاز رکھتا ہے، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کے کسی دوسرے نسخہ کا کہین پتہ نہین ہے، اور نہ عہد فیروز شاہ کے مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے یہ مذہبیات کی ایک دائرۃ المعارف ہے، جس مین مذہب سے متعلق ہر چیز پر بحث کی گئی ہے، چنانچہ کتاب ۱۵ ابواب پر مشتمل ہے، لائق فہرست نگار نے مفصل فہرست دیکر اس کی اہمیت کو اور واضح کر دیا ہے، مصنف کا نام شرف محمد العطاری ہے، ماخذون کی فہرست سے بھی مصنف کی وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے، یہ نسخہ ۹۷۷ھ کا لکھا ہوا ہے،

(۱۲۲۷) **فقہ بابری**، اسی قسم کی دوسری فقہی تصنیف جو ایک دوسرے سلطان کی طرف منسوب ہے، خاص اہمیت رکھتی ہے، یہ بھی اپنی ندرت کی وجہ سے بہت ممتاز ہے، مصنف کا نام نور الدین بن قطب الدین بن احمد بن زین الدین الخوافی ہے، اس نے یہ کتاب بابر کی فرمایش پر لکھی تھی، یہ تصنیف پانچ کتاب، فصل، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس مین سات مستند کتابون سے مدد لی گئی ہے، اور ان کو اشارات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے، موجودہ نسخہ ۱۰۸۱ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا نام عبد اللہ شیخ داؤد ہے،

مولوی عبد المقتدر خان صاحب نے اس وقت تک فہرست کتبخانہ کی جتنی جلدین مرتب کی ہین، ان مین تحقیق و صحت کا بہت خیال رکھا ہے اور موجودہ جلد مین بھی یہ خصوصیت ایک بڑی حد تک باقی ہے، لیکن چند چیزون کے متعلق ہم یہان پر مختصر عرض کرنا چاہتے ہین، مثلاً فہرست کی پہلی کتاب جو تاج القصص کا ایک جزو ہے، نہ معلوم کس طرح تفسیر مین داخل کر دی گئی، حالانکہ ابتدا ہی مین اسے "قصۂ یوسف صدیق" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، دوسرے جلد مین اس کے متعلق جو عبارت نقل کی گئی ہے اس مین اس کا نام "انس المریدین و روضۃ المحبین" ہے، لیکن اس فہرست مین "انیس" ہے،

دوسری کتاب **تفسیر زاہدی** ہے، اس کے مصنف کے نام کے آخر مین "الزارو جکی" دیا گیا ہے، حالانکہ یہ

زروانجگی ہے، اور اسی جواہر مضیہ مین جس سے انھون نے سن وفات کی تصحیح کی ہے، تین جگہ موجود ہے، رہا سن وفات غلطی کجوب الالباب مین بھی ۵۹۲ھ ہی ہے، جواہر مضیہ نے ان کا نام یون دیا ہے،

"احمد بن الحسن بن احمد ابو نصر الدر واجکی الزاہد عرف بفخر الاسلام استاذ المفضلی"

یہان پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ خود مطبوعہ نسخہ مین دو جگہ غلطی سے درواجکی لکھ گیا ہے، لیکن بعد مین صحیح نون الفاظ مین اس کی تصحیح کی ہے،

"مضی فی بابہ (درواجہ) بالجیم ولکن الصحیح انہ دراخہ بالخاء المعجمہ فلیصحح"

مواہب علیہ کے متعدد نسخون مین سے ایک پر دو مہرین ہین، ان مین سے ایک مین "واقفہ جلال الدین محمد بن محمد بن احمد الجامی" لکھا ہے، اور اس سے لائق فہرست نگار نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ واقف حضرت شیخ الاسلام احمد ژندہ پیل جامی کے پوتے ہین اب اگر یہ دیکھا جائے کہ شیخ موصوف کا انتقال ۵۳۶ھ مین ہوا اور یہ نسخہ ۹۹۱ھ کا ہے، اس لیے یہان پر ۴۵۰ سال کا وقفہ ہوتا ہے، اور شاید کوئی حقیقی تاریخ اس بات کا ثبوت پیش نہین کر سکتی کہ ایک شخص کا پوتا اس سے چار سو سال تک زندہ رہا ہو، البتہ زائد از زائد اتنا کہا جا سکتا ہے کہ واقف ان کے خاندان مین تھے اور بس،

ہمارے دار المصنفین مین بھی مواہب علیہ کا تقریباً ایک اتنا ہی قدیم نہایت ہی خوشخط مذہب وسطا ایرانی نسخہ موجود ہے اس کی کتابت کا سال ۹۲۶ھ ہے اور کاتب کا نام سلیمان ہے، اس کے علاوہ ایک اور نسخہ محمد شاہ کے عہد کا بھی ہے،

شرح سفر السعادت کے متعلق اتنا اور اضافہ کرنا چاہیے کہ وہ ۱۲۸۵ھ مین لکھنؤ مین چھپنے سے بہت پہلے کلکتہ کے افضل المطابع مین ۱۲۵۳ھ مین نہایت اہتمام سے طبع ہو چکی ہے، اور اس کا ایک نسخہ ہمارے کتب خانہ مین بھی موجود ہے نیز شارح نے خود لکھا ہے کہ اس کتاب کے دو نون نام ہین، سفر السعادت اور صراط المستقیم اس کا بھی ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ مین ہے،

"ن"

لہ جواہر مضیہ جلد ۱ ص ۹۳ جلد ۲ ص ۳۰۶ ایضاً ص ۴۰۰

مطبوعاتِ جدیدہ

ہمارے نبی۔ مؤلفہ جناب مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے پرنسپل بہاء الدین کالج جونا گڑھ، قیمت ۴ر

ہمارے رسول۔ مؤلفہ جناب مولوی خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی، استاد جامعہ ملیہ صفحہ ۸۰ قیمت ۸ر

سرکار کا دربار، مؤلفہ جناب احمد الیاس صاحب مجیبی ۱۲۵ صفحہ قیمت ۱۰ر

تینوں کتابوں کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

مسلمان طلبہ کی صحیح تربیت، مذہب سے سچی واقفیت، اور پیغمبرِ اسلام صلعم کی ذاتِ بابرکات سے حقیقی محبت پیدا کرنے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہین کہ ابتدا ہی سے بچون کو ایسی کتابون سے جنمین اس ذات گرامی کے حالات ہون روشناس کیا جائے، اور بچے کی عمر کے ساتھ ہی ساتھ واقعات کی تفصیل بھی بڑھتی جائے، چنانچہ اسی خیال کو پیش نظر رکھکر جامعہ ملیہ دہلی نے یہ تین کتابین شائع کی ہین، ان مین درجون کا بھی خیال رکھا گیا ہے، زبان و بیان اور واقعات مین بھی یہ تخیل ملحوظِ خاطر رہا ہے، اول الذکر کتاب کے لائق مصنف اردو کی تصنیفی دنیا مین تعارف سے بالاتر ہین، انھون نے سیرۃ المصطفےٰ کے نام سے آنحضرت صلعم کی ایک مفصل سوانح بھی لکھی ہے، یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۹ء مین شائع ہوا تھا، جامعہ ملیہ کے قیام پر پروفیسر صاحب ممدوح نے اس کو جامعہ ملیہ کو دیدیا، اور اس نے اسے شاملِ نصاب کر دیا، یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی کہی جا سکتی ہے،

دوسری کتاب جامعہ کے استاذِ دینیات کی تصنیف ہے، خواجہ صاحب اپنی مخصوص تفسیر کی وجہ سے عرصہ سے روشناس ہو چکے ہین، اگرچہ اسے بچون کے سلسلہ کی پہلی کتاب بتایا گیا ہے، لیکن حقیقۃً یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے، طرزِ تحریر اور طریقۂ بیان بچون کی فہم کے مطابق ہے، "خدا کے پہلے گھر" کی تصویر دیکر اسے دلچسپ بنایا گیا ہے،

سرکار کا دربار، اول الذکر دونون رسالون سے زیادہ واضح زیادہ مفصل اور زیادہ ضخیم ہے، زبان صاف، طرزِ بیان دلکش و موثر اور واقعات کے بیان کرنے مین انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے، ابتدا مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی، مدیر سچ کا فاضلانہ تنقیدی مقدمہ ہے، اس کتاب مین خانۂ کعبہ، مسجدِ نبوی، اور بیت المقدس کی تصاویر بھی ہین، ابتدا مین ناشر صاحب کی عرض، اور مجیبی صاحب کا ۳ صفحون کا دیباچہ بھی ہے، ہم جامعہ ملیہ کو اس سلسلہ کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہین، اور اس کے ساتھ ہی ہم تمام مسلمانون سے بھی پرزور سفارش کرین گے کہ وہ خود ان رسالون کو پڑھین اور بچون کو تو ضرور پڑھائین،

ختمِ نبوت۔ مؤلفہ جناب مفتی محمد دین صاحب وکیل گجرات ۲۰۸ قیمت ۱۲ر پتہ مفتی نذیر احمد صاحب دائرہ لبوچان گجرات (پنجاب)

اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ قرآن شریف نے بعض الفاظ خاص خاص معنون مین استعمال کئے ہین اور ان کی بہترین تشریح خود اسی کتاب مقدس سے ہو سکتی ہے، اس وقت آیاتِ پاک کے غلط معنون کا جو فتنہ اٹھا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ الفاظ کے ان معنون کی طرف جنمین قرآن نے ان کو استعمال کیا ہے، توجہ کئے بغیر اپنے مطلب کے مطابق ایک آدھ آیت مین من مانے معنی پہنا کر غلط نتیجہ عام لوگون کے سامنے پیش کر کے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہین، اس لیے لائق مصنف کا یہ سلسلہ جس کی زیرِ تنقید کتاب آٹھوین کڑی ہے قابلِ مطالعہ اور مستحقِ ستائش ہے کہ انھون نے اس سلسلہ مین صرف کلام مجید ہی کو پیشِ نظر رکھکر اہم مسائل کے حل کرنے کی کوشش کی ہے، ختمِ نبوت مین بھی صرف قرآن کی آیات کے ذریعہ، وحی، رسول، نبی وغیرہ کے قرآنی معنون کی تشریح کر کے قرآنی آیات ہی سے نہایت واضح طریقہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسولِ اسلام صلعم آخری نبی ہین اور انکے بعد قرآن مجید اور جماعتِ مومنین کی موجودگی مین آیندہ نوعِ انسان کی ہدایت کے واسطے کسی کتاب یا نبی اور مجدد کی ضرورت نہین، ایک آدھ جگہ ترجمہ مین غلطی ہوگئی ہے، مثلاً صفحہ ۲۰ پر "والنجم اذا ھویٰ" کے معنی "قسم ہے قرآن کی جب وہ نازل ہوا" دیے گئے ہین، قرآن پاک بنجماً نازل ہونے سے یہ قیاس کہ نجم کے معنی ہی قرآن کے ہین ثبوت کا محتاج ہے، بہرحال کتاب لائقِ مطالعہ اور قابلِ تقلید ہے،

اسلامی مساوات، مصنفہ جناب محمد حفیظ اللہ صاحب صفحہ ۴۴ قیمت ۳ر پتہ مسلم بک ڈپو پھلواری شریف پٹنہ،

عرصہ ہوا یہ رسالہ شائع ہو چکا تھا اور اب یہ اس کا دوسرا اڈیشن ہے، اس مین بعض چیزون کا اضافہ بھی ہے رسالہ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام نے مسلمانون کو مذہبی حیثیت سے مساوی بنایا ہے اور اس لیے مذہبی نگاہ مین ان اکی مکرم

عند اللہ اتقیکم ہے، ورنہ دوسرے تمام معاملات مین سب مساوی ہین، قومون اور پیشون کی تفریق کوئی چیز نہین ہے،

الصوت لما بعد الموت، المعروف بہ سیرۃ العزیز، مصنفہ مولوی سید جلیل احمد صاحب بھوپالی نور محل بھوپال، قیمت ۳

اس مختصر رسالہ مین پہلے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کے حالات ہین، اس کے بعد شاہ صاحب کا ایک فارسی خط ہے جو دہلی کی کسی بیگم کے نام ہے، جسمین میت کے اخروی حالات و وقائع شاہ صاحب نے بیان کیے ہین، فارسی خط کے ساتھ ساتھ دوسرے کالم مین اردو ترجمہ بھی ہے، ترجمہ مین "پل صراط" کو "پل صرات" لکھنا تعجب انگیز ہے، شاہ صاحب کا یہ فارسی خط مصنف کے ذاتی کتبخانہ مین قلمی موجود تھا، اور وہ پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے،

مبادی نباتات، مؤلفہ بابو جگ موہن لال صاحب چترویدی بی ایس سی، ایل ٹی، صفحہ ۱۰۲، قیمت عہ، مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی، اسٹیشن روڈ حیدر آباد (دکن)

بابو جگ موہن صاحب عثمانیہ ٹریننگ کالج کے ایک تجربہ کار استاد ہین، انھون نے علم نباتات کے ابتدائی مسائل کو نہایت سادگی اور صفائی سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، اور اس مین اچھی طرح کامیاب بھی ہوئے ہین، درختون، بیلوں اور پودوں کے اعضاء، اوراق، ثمار وغیرہ کی دستی تصاویر کے ذریعہ توضیح بھی کیگئی ہے، ابتدائی مطالعہ کے لیے کتاب مفید ہے، کتاب مین پندرہ ابواب ہین، دو صفحون کی تمہید بھی ہے، اگرچہ اردو مین اس فن پر متعدد کتابین موجود ہین، لیکن ان مین یہ تسلسل اور یہ طرز بیان جو طلبہ کی نفسی کیفیت و حالت کے مطابق ہو موجود نہین، امید ہے کہ طلبہ کے لیے کار آمد ثابت ہو،

محب وطن شاعر، مؤلفہ جناب رحم علی الہاشمی صاحب بی اے، صفحہ ۴۲، قیمت ۸ر، پتہ:- مؤلف اکر لونی ہاؤس، کرنال پنجاب

جناب چودہری صاحب اردو اور انگریزی صحافتی دنیا مین تقریباً دس سال سے روشناس ہین، ۱۹۲۶ء تک وہ الہ آباد کے مشہور اخبار "انڈیپنڈنٹ" کے نائب مدیر تھے، اور اسی زمانہ مین انھون نے جناب لسان العصر اکبر مرحوم کے کلام پر کئی نمبرون مین مختصر تنقید شائع کی تھی، اب انھون نے اپنے ان مضامین کو رسالہ کی صورت مین شائع کر دیا ہے، ان مضامین کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہین کہا جا سکتا کہ وہ مختصر اور تشنہ تفصیل ہین، بہتر اور واضح کلام کے انتخاب کی بھی کمی ہے، رسالہ انگریزی زبان مین ہے، اور ادبی حیثیت سے لائق شکایت نہین، انگریزی نام "THE Patriot POET" ہے،

"ن"